سینما سے مسجد تک
www.KitaboSunnat.com
جمع وتدوین
یف اللہ ربّانی ، اُمّ فریحہ
واتین اور بچوں کیلئے معیاری کتب کی علامت
ادارہ مطبوعات خواتین

نام کتاب	سینما سے مسجد تک
ترتیب وتدوین	سیف اللہ ربّانی / امِّ فریحہ
ناشر	ادارہ مطبوعات خواتین، لاہور
مطبع	میٹرو پرنٹرز لاہور
تعداد	گیارہ سو
قیمت	50 روپے
کمپوزنگ	عزام کمپوزنگ سنٹر، فون: 5820177

← دارالاندلس (مرکز الدعوۃ والارشاد پاکستان) ← ملک بک ڈپو، اردو بازار ← فیض اللہ اکیڈمی، اردو بازار ← نعمانی کتب خانہ، اردو بازار ← اسلامی اکادمی، اردو بازار ← مکتبہ سلفیہ، شیش محل روڈ ← مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار ← ادارہ تعمیر انسانیت، اردو بازار ← مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار ← ادارہ اسلامیات، انارکلی ← اسلامک ہیلی کیشنز، منصورہ ← ادارہ منشورات اسلامی، منصورہ ← اسلامک ماس میڈیا، منصورہ ← فیروز سنز، دی مال ← ماورا، دی مال ← مکتبہ رشیدیہ، لوئر مال ← ادارہ مطبوعات طلبہ، اچھرہ ← لائن آرٹ پریس، دی مال ← مکتبہ عزیزیہ، مسجد القدس چوک دالگراں

حسن ترتیب

انتساب

دنیا بھر کی تحاریک اسلامی کے کارکنان کے نام' جو کتاب و سنت کی بنیاد پر اسلامی تہذیب کے اصولوں کی پیروی کرنے اور اپنے اپنے معاشروں سے شیطانی تہذیب و ثقافت کو مٹا کر اس کی جگہ پر اسلامی تہذیب کے نقوش و آثار کو غالب کرنے کی جدوجہد میں مصروف عمل ہیں' اللھم زد فزد!

ابتدائیہ (طبع چہارم)

اسلام واحد دین ہے' جس نے دیگر اچھائیوں اور مثبت امور کے ساتھ ساتھ عفت و عصمت' شرم و حیاء اور پاکیزہ اخلاق و کردار کا درس بھی دیا ہے۔ اگر دنیا کے تمام مذاہب و ادیان اور معاشروں کی تہذیبوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہو گا کہ پاکیزہ تہذیب' اچھے اصول اور مثبت ثقافت محض دین اسلام کا ہی حصہ اور خاصہ رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر قسم کی پاکیزگی و اخلاقی بلندی اسلام کا حصہ ہے جبکہ کسی قسم کی پراگندگی اور خباثت و فساد سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اسلام تو خیر کی ترویج اور شر کے انسداد کا علمبردار ہے۔ اسلام کی یہ مثالی تہذیب عین فطری و قدرتی بھی ہے اور معاشرہ میں حسن اخلاق' حیاء داری اور اچھے کردار کی ضمانت بھی۔ یہی وجہ ہے کہ کرۂ ارض کی تاریخ کے ہر دور میں صالحیت پسند عنصر اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے نہ صرف متاثر ہوتا رہا ہے بلکہ وہ افراد بدیہی طور پر اپنے اپنے معاشروں میں اپنے صالح کردار کی روشنی بھی بکھیرتے رہے ہیں۔

یہ کتاب فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے (سابق) غیر مسلم اور مسلم فن کاروں کی اپنے "فن" سے تائب ہونے کی داستانوں اور مشاہدات پر مشتمل ہے۔ صالح فطرت کے حامل یہ افراد غیر ملکی بھی ہیں اور وطن عزیز کے شہری بھی' ان کا تعلق مغربی ممالک سے بھی ہے اور مسلم ممالک سے بھی۔ جب انہوں نے فلمی دنیا کی پر خار وادی میں قدم رکھا تھا تو انہیں بہرحال بشری کمزوری کے تحت یہ معلوم نہیں تھا کہ ہمارے اس قدم کا کیا نتیجہ نکلے گا اور ہمیں کن خباثتوں' مفاسد و رذائل اور دنیاوی و اخروی نقصانات کا سامنا کرنا پڑے گا؟ ورنہ وہ ہرگز اس میدان میں نہ کودتے۔ اس امر کے ثبوت کے لئے قارئین کو کتاب میں مذکور شدہ ان افراد کی سابقہ زندگی اور پھر توبہ کے بعد اختیار کی جانے والی اسلامی زندگی کا مطالعہ کافی رہے گا' تاہم توضیح مزید کے لئے امریکہ سے تعلق رکھنے والی دو فلمی "سپر سٹارز"

کے درج ذیل اعترافات ملاحظہ کیجئے:

"امریکہ کی فلمی دنیا کی مشہور "سپرسٹار" غریتاغاربو سے اس کے عالم شباب کے گزر جانے کے بعد ایک صحافی نے (جو اس کی لائف ہسٹری پر کتاب لکھنا چاہتا تھا) سوال کیا کہ فلمی دنیا سے وابستہ ہو کر اور جوانی کے عالم میں "شادی سے کنارہ کشی" کر کے وہ اب عالم تنہائی میں کیا محسوس کر رہی ہے؟ اس پر اس نے انتہائی تاسف وندامت سے جواب دیا کہ وہ میری غلطی کا دور تھا۔

اسی طرح ایک دوسری اداکارہ نے اس صورتحال کا سامنا کرنے کے بعد پچھتاوے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"کاش! میں تب اپنے گھر سے باہر ہی نہ نکلتی۔"

یہ امریکہ کی شہری دو غیر مسلم فلم سٹارز کے احساسات ہیں!

اس کے مقابلے میں ہمارے ہاں "فنکار" کیا طرز فکر رکھتے ہیں؟ اس کا اندازہ فلمسٹار انیتاایوب کے ان Comments سے لگایا جا سکتا ہے جو اس نے ایک غیر ملکی فلمی جریدے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہے' اس نے کہا:

"میرا کوئی مذہب نہیں' میں صرف اپنی آرزوؤں کی تکمیل چاہتی ہوں۔ میں آزادی کی قائل ہوں اور اپنے خیالات اور جسمانی نمائش کی آزادی کو اپنا جائز حق سمجھتی ہوں۔ میں حقیقت پسند ہوں اور فلموں میں میاں بیوی کی سہاگ رات فلمانے کے حق میں ہوں' کیونکہ ویسے بھی میرے نزدیک اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب ہمارے ہاں عملی طور پر عورت کو اس انداز میں بازار میں بٹھایا جا سکتا ہے جیسے قصاب نے جانوروں کو اپنی دکان پر لٹکا رکھا ہو تو پھر عورت کے تمام انداز پردۂ سکرین پر کیوں نہیں دکھائے جا سکتے؟"

یہ صرف ایک "فنکارہ" کے تاثرات ہیں' ورنہ ہندووانہ مشرک رسومات و نظریات اور انڈیا کی فلمی سوسائٹی اور ایرانی مجوسی تہذیب کے زیر اثر ہمارے روزانہ کے اخبارات کے "شوبز" میں تقریباً ہر روز کسی "فنکار" کے بے حیائی و بے غیرتی حتیٰ کہ شرک تک کی گندگی کی بدبو لئے ہوئے ایسے "ثقافتی افکار" کی جھلک ضرور نظر آ جاتی ہے ——— معاذ اللہ!

کیسی عجیب بات ہے کہ غیر مسلموں میں بالآخر اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لینے کی ضرورت واہمیت کا شدید احساس بیدار ہو رہا ہے جبکہ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم انفرادی واجتماعی ہر دو سطح پر ہر طرح کی غیر اسلامی تہذیب وثقافت کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہوئے اپنے عظیم دین کی لافانی تعلیمات سے منہ موڑ رہے ہیں۔

ان حالات وآثار کے باعث اس کتاب کی ترتیب وتدوین کی گئی ہے۔ دراصل یہ پاکستان کی نوجوان نسل کے سامنے اسلام کی عظیم تہذیب وثقافت پر (سابق) غیر مسلم افراد ــــ اور وہ بھی "شوبز" سے تائب ہونے والے ــــ کے مر مٹنے کے حوالے سے عصر حاضر کی چند ایمان افروز مثالیں اور واقعات لا کر تہذیب اسلامی سے آشنا کرانے کی ایک حقیر سی کوشش ہے۔ خوش قسمتی سے یہ افراد ثقافت کے شعبے سے تعلق رکھتے تھے' جنہیں معاشرہ میں لوگ "قومی ہیروؤں" کی حیثیت دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ان کی اسی سابقہ پہچان کے حوالے سے لوگ انہیں پڑھیں اور پھر وہ بھی فوز وفلاح کی زندگی گزارنے کے لئے تیار ہو جائیں' ان شاء اللہ!

"ادارہ مطبوعات خواتین" کی طرف سے شائع کی جانے والی یہ کاوش ــــ "سینما سے مسجد تک" ــــ محض سینما سے نکل کر مسجد تک پہنچنے کے مفہوم تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ باطل کو چھوڑ کر حق کی پیروی اور شیطانی تہذیب و ثقافت سے دامن چھڑا کر اسلامی تہذیب اور ثقافت سے پورے ایمان وایقان کے ساتھ وابستگی کا دوسرا نام ہے' مطالعہ کے بعد قارئین کو بالیقین اس حقیقت کے واضح نقوش نظر آئیں گے۔ امید ہے کہ جس جذبے اور فکر کے تحت اسے شائع کیا گیا ہے' اسی جذبے اور ذوق وشوق سے قارئین کی طرف سے بھی اس کی پذیرائی کی جائے گی' جزاکم اللہ خیراً!

اللہ تعالیٰ کی جناب میں عاجزانہ دعا ہے کہ وہ ہمیں خلوص کی دولت سے مالا مال فرمائے' ہم سب کی دینی محنت کو شرف قبولیت بخشے اور ہمیں دین ودنیا کی سرفرازیوں سے نوازے' آمین!

خاکسار

سیف اللہ ربانی

باب نمبر ۱

ہم نے فلمی دنیا کیوں چھوڑی؟

اس باب میں اندرون وبیرون ملک کی فلمی دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے اداکاروں اور گلوکاروں کے ایمان افروز اور دلچسپ تذکرے، نیز "فن" کو چھوڑنے والے غیر مسلم فنکاروں کے قبول اسلام کی جذبہ انگیز داستانیں، انٹرویوز اور مضامین شامل ہیں۔

جناب یوسف اسلام (برطانیہ)

۱

اسلام اللہ کا دین ہے جو آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر قیامت تک انسانوں کی دنیوی فلاح اور اخروی کامیابی کے لئے خالق کائنات نے مقرر کر دیا ہے۔ اس دین کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی میں انسانوں کو اپنی آخرت بنانے کی مہلت دی ہے۔ دنیا کی عارضی زندگی کا نتیجہ آخرت کی دائمی زندگی میں نکلے گا۔ اچھائی اور برائی' نیکی اور گناہ' خیر اور شر کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے سامنے کھول کر بیان کر دیا ہے اور اسے عقل و شعور کی دولت کے ساتھ ارادے کی آزادی اور عمل کی حریت بھی عطا فرمائی ہے۔

انسان کو صراط مستقیم دکھانے کی ذمہ داری اللہ نے اپنے اوپر رکھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ

"اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ دکھانا۔" (النحل' آیت:۹)

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر قوم کے درمیان اپنے نبی اور رسول مبعوث فرمائے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ

"اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔" (فاطر' آیت:۲۴)

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

اور "اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما بھیجا گیا ہے----" (الرعد' آیت:۷)

بنی نوع انسان کی پختگی اور روحانی بلوغت انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے سے ممکن ہوئی۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے سلسلۃ الذہب کی تکمیل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک دور' قوم' علاقے یا مدت کے لئے نہ بھیجے

گئے تھے' بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری نوع انسانی کے لئے قیامت تک ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ قرآن مجید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہا جس کے معانی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قرآن مجید نے یہ گواہی بھی دی:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! کہو: "اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔" (اعراف: آیت ۱۵۸)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

اور: "اور (اے نبی) ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔" (سبا' آیت:۲۸)

گزشتہ سطور سے معلوم ہوا کہ انسان کی رہنمائی کا اصل ذریعہ وحی ربانی اور رسالت و نبوت ہے۔ رسالت و نبوت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے اندر بھی نیکی اور بدی کا امتیاز اور بھلے و برے کا شعور پیدا کر دیا ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا

"پھر اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں بدی اور پرہیزگاری' (کا شعور) ودیعت کر دیا۔" (الشمس' آیت:۷'۸)

نیز:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ

"اور نیکی اور بدی کے دونوں نمایاں راستے (انسان کو) دکھا دیئے۔" (البلد' آیت:۱۰)

اس چیز کو ہر انسان اپنے ذاتی تجربے سے محسوس کر سکتا ہے۔ برائی کے لئے داعیہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ہی ایک آواز اسے سنائی دیتی ہے' جو برائی کی قباحت و شناعت اس پر واضح کرتی اور برائی سے اجتناب کی ترغیب دیتی ہے۔ قرآن مجید نے ان دو داعیوں کو اپنی اصطلاح میں نفس امارہ اور نفس لوامہ کہا ہے۔ ہم اپنی زبان میں انہیں نفس اور ضمیر کی عام فہم اور سادہ اصطلاحات سے تعبیر کرتے ہیں۔

یہ موضوع بہت طویل بھی ہے اور عمیق بھی' اس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ نفس اور ضمیر کی کشمکش میں جو پارٹی بھی شکست کھاتی چلی جاتی ہے اس کی آواز آئندہ مدھم اور بالآخر ایک دن بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ ضمیر کی مسلسل فتح سے انسان کو نفس مطمئنہ کی دولت بے بہا ملتی ہے' جس کا ذکر سورۃ الفجر میں کیا گیا ہے جب کہ نفس کی پے درپے فتوحات سے ضمیر مر جاتا ہے اور انسان بے ضمیر ہو جاتا ہے۔ اس دردناک کیفیت کو قرآن مجید میں جگہ جگہ "دلوں پر مہر لگ جانے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض لوگ اسلامی ماحول میں آنکھ کھولتے ہیں مگر بدقسمتی سے ان کا نفس امارہ اتنا بے قابو اور منہ زور ہو جاتا ہے کہ وہ ضمیر کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے' بعض سعید روحیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جاہلیت اور کفر کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں جنم لیتی ہیں مگر ان کی فطرت سلیمہ انہیں تاریکی سے روشنی میں لے آتی ہے۔ انسانی تاریخ میں ایسے خوش قسمت انسان تعداد میں اگرچہ ہمیشہ تھوڑے ہی رہے ہیں مگر ان کے وجود مسعود سے کوئی دور خالی نظر نہیں آتا۔ ایسے انسان اللہ کی نعمت بے پایاں کا مجسمہ اور صداقت کی زندہ تصویر ہوتے ہیں۔

یہاں اپنے دور کے ایک عظیم انسان کا تذکرہ مقصود ہے جو سعادت کی بلندیوں تک پہنچا ہے اور جس کی زندگی سے ہم بے عمل مسلمان بھی بلاشبہ روشنی پا سکتے ہیں۔ وہ اسلام کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت اور دین حق کی اثر آفرینی کی زندہ علامت ہے۔ میری مراد جناب یوسف اسلام ہے۔

یوسف اسلام انگلستان میں عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام والدین نے کیٹ سٹیونز رکھا۔ کیٹ سٹیونز ایک ہونہار بچے کی طرح اپنی تہذیب و ثقافت کا گہرا مطالعہ کرنے لگا۔ اس نے خود کو اس ثقافت کا مکمل نمونہ بنایا۔ بچپن ہی میں گانے بجانے کا شوق انگڑائیاں لینے لگا اور اپنے وقت کے معروف گلوکاروں سے متاثر ہو کر نوعمر کیٹ سٹیونز نے اپنے ہنر کے جوہر دکھانے شروع کر دیئے۔ موسیقی سے اسے عشق تھا اور شعرو شاعری اسے پیدائشی طور پر تحفہ میں ملی تھی۔

یورپ میں گلوکاروں کا مقام و مرتبہ معاشرے میں بہت بلند ہے اور اب تو ہمارے ہاں بھی یہ بیماری لاعلاج ہو چکی ہے۔ یہاں فلمی دنیا کے کرداروں اور گلوکاروں کے لئے آسمان

شہرت کی بلندیاں منتظر رہتی ہیں۔ قوم کا بچہ بچہ اور کسی بات کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو مگر اس طائفہ کے افراد سے ضرور باخبر ہوتا ہے۔ ان لوگوں سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا جاتا ہے' طاؤس و رباب ہی اب معیار شہرت و عزت قرار پایا ہے۔ مغرب تو بہرحال اپنی تہذیب و ثقافت اور اقدار کے لحاظ سے گلوکاروں' موسیقاروں اور اداکاروں کو آنکھوں پر بٹھاتا ہی ہے۔

کیٹ بہت جلد کامیاب گلوکار کے طور پر ابھرا اور چند سالوں میں بڑے بڑے ستارے اس کے سامنے ماند پڑ گئے۔ اس نے شہرت و عزت اور مال و دولت میں جو مرتبہ حاصل کیا وہ اس کے ابنائے تہذیب کے نزدیک قابل رشک تھا۔ اس کے ریکارڈ لاکھوں کی تعداد میں بکتے اور اس کی آمدنی کا کوئی حد و حساب نہ رہا۔ اس ابھرتے ہوئے پاپ سنگر کو دنیا کی ہر چیز حاصل تھی مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں کسی چیز کی کمی کا شدید احساس اسے کبھی کبھار بے چین کر دیتا تھا۔

یورپ اور امریکہ میں کیٹ کے کمال فن کا شہرہ اس حد کو پہنچ گیا کہ دور دراز دیہاتوں تک میں کوئی مرد اور عورت' بچہ اور بوڑھا مشکل ہی سے ایسا ہو گا جس نے اس کا نام اور کارنامہ سنا نہ ہو۔ مغرب کے سربراہان مملکت اور وزرائے اعظم تک اس کے ساتھ تصویر بنوانے میں فخر محسوس کرتے۔ شب و روز یوں ہی گزرے چلے جا رہے تھے کہ ایک سہانی صبح کو کیٹ سٹیونز نے اپنی حیات کا ساز ورق الٹا۔ اس کے دل کی بے چینیوں کو قرار کا راستہ ملنے کا سامان پیدا ہوا۔

کیٹ سٹیونز کے بڑے بھائی اسرائیل گئے اور یروشلم کی سیاحت سے بہت متاثر ہوئے' انہوں نے سوچا کہ کیٹ کے لئے کوئی تحفہ خرید لیا جائے۔ کیا خریدا جائے؟ کیٹ کے یہاں کس چیز کی کمی ہے! اسے ہر نعمت میسر ہے۔ گلی کوچوں میں گھومتے پھرتے کتابوں کی ایک دکان کے پاس سے گزر ہوا۔ مختلف کتابیں دیکھیں' قرآن مجید کا انگریزی زبان میں ترجمہ نظر سے گزرا۔ فوراً سوچا کہ کیٹ کی لائبریری میں اس کتاب کا اضافہ مستحسن ہو گا۔ بھائی نے یہ نسخہ خرید لیا اور انگلستان واپسی پر کیٹ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

قرآن مجید زندہ و لازوال کتاب ہے۔ اس کے معجزات بھی ابدی اور بے پایاں ہیں۔ یہ انقلابی دستور ہے جو انسانوں کی زندگیوں میں دور رس تبدیلیاں لاتا ہے' ہم پیدائشی

مسلمان قرآن کے روح پرور پیغام کی باریکیوں سے ناآشنا ہیں اور اسے محض طوطے مینا کی طرح پڑھتے ہیں۔ یہ نہ تو ہماری زندگی میں کوئی انقلاب برپا کرتا ہے نہ اس سے ہماری روح جھومتی ہے۔ ہمارے اجداد کو اسی کتاب نے بام عروج عطا کیا تھا اور آج ہم اسی کتاب سے دوری کی وجہ سے خوار ہیں ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

وہ عشق زبانی جس نے پسند و ناپسند کے پیمانے' کامیابی و ناکامی کا معیار اور خوب و زشت کی تمیز ہی بدل دی تھی' اب ناپید ہے ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

کیٹ سٹیونز نے قرآن مجید کا پیغام پڑھا۔ دل میں اتر جانے والی میٹھی باتوں اور ناقابل تردید حقائق نے اس کا دامن پکڑ لیا۔ وہ پڑھتا چلا گیا۔ دل کی پنہائیوں میں محرومی کا احساس اور اس کا مداوا ـــــ اس نے محسوس کیا کہ گوہر مراد ہاتھ میں آگیا ہے۔ اس نے دل کی پکار پر لبیک کہا۔ وہم و گمان کے بتوں کو توڑا' عیش و طرب کے جام و سبو کو پھوڑا' اللہ سے رشتہ جوڑا اور وہ کیٹ سٹیونز سے یوسف اسلام بن گیا۔ اس کی زندگی میں قرآن نے انقلاب برپا کر دیا تھا' دنیا نے اپنی آنکھوں سے یہ انقلاب دیکھا اور مغربی دنیا میں پاپ سنگر کے مداحین ورطہ حیرت میں ڈوب کر کف افسوس ملنے لگے۔ اسلامی دنیا میں اس موقع پر خوشی کی ایک لہر دوڑ جانی چاہئے تھی۔ مگر یہاں کسے فرصت تھی؟

یوسف اسلام نے تہیہ کر لیا کہ جو روشنی اسے حاصل ہوئی ہے اسے دنیا کے بھٹکے ہوئے انسانوں تک پہنچائے گا۔ وہ محض ایک مسلمان بن کر ذاتی اصلاح اور نماز روزے کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ داعی اسلام بن کر انسانیت کی فلاح کا بیڑا اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے انگلستان میں پبلک لیکچرز کے ذریعے سے لوگوں کو اسلام سے روشناس کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کی تبلیغ کے نتائج کیا نکل رہے ہیں؟ یہ تو کچھ عرصہ بعد معلوم ہو سکے گا' تاہم گزشتہ نو دس سال سے جب کہ اس نے قبول اسلام کیا ہے' اس کی جدوجہد ازحد ایمان افروز ہے۔

یوسف اسلام نے لندن میں ایک اسلامک اسکول قائم کیا ہے جہاں عصری تعلیم کے ساتھ اسلامی تعلیم دی جاتی ہے۔ ادارے کا تعلیمی معیار قابل رشک ہے۔ اس ادارے کو حکومت سے منظور کرانے کی جدوجہد ہو رہی ہے۔ یوسف اسلام کا کہنا ہے کہ مسلمان جب ٹیکس ادا کرتے ہیں تو ان کے تعلیمی اداروں کو دیگر اداروں کی طرح حکومت کے بجٹ میں سے حصہ کیوں نہیں مل سکتا؟ یوسف اسلام کی یہ کوشش ان شاء اللہ! کامیاب ہوئی اور مسلمانان برطانیہ کی آئندہ نسلوں پر اس کے دور رس اثرات مرتب ہوں گے۔

یوسف اسلام کی شادی ایک پاکستانی الاصل مسلمان خاتون سے ہو گئی ہے۔ یہ پاکستانی خاندان پہلے نیروبی میں مقیم تھا اور اب لنڈن جا چکا ہے۔ یوسف اسلام صاحب سے میری کافی خط و کتابت ہوتی رہی ہے۔ ایک مرتبہ وہ کینیا بھی تشریف لائے اور ہمارے ادارے اسلامک فاؤنڈیشن نیروبی کے مہمان رہے۔ یوسف اسلام صاحب کے مختلف پروگرام اور خطابات بڑے ہی کامیاب رہے۔

نیروبی میں ایک ادارہ "مسلم گرلز سکول" کے نام سے مسلمانان نیروبی نے تقریباً پون صدی قبل قائم کیا تھا۔ یوسف اسلام نے جہاں دیگر اداروں کا دورہ کیا وہاں اس اسکول میں بھی تشریف لے گئے۔ اسکول اسٹاف میں سے ایک ذمہ دار خاتون نے مسلمانوں کے بگڑے ہوئے طبقوں اور مترفین کی روایات کے مطابق ان سے مصافحہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو جناب یوسف اسلام نے بڑے اچھے انداز میں ہاتھ ملانے سے انکار کرتے ہوئے اسلامی آداب و ہدایات کی خوب صورت تشریح کی۔

یوسف اسلام کو قرآن مجید سے عشق ہے اور قبول اسلام کے بعد انہوں نے قرآن مجید کا بہت گہرا مطالعہ کیا ہے۔ قرآنی تعلیمات پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی معلومات بھی قابل رشک ہوتی ہیں۔ قرآن مجید کے بعد جس کتاب سے وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے ہیں اور جس کا تذکرہ وہ اپنی گفتگوؤں میں کئی بار کر چکے ہیں وہ سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب رسالہ دینیات ہے۔ رسالہ دینیات اسلام کے بارے میں بڑی جامع اور مدلل کتاب ہے۔

اس کتاب نے بیشمار لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں۔ اب تک یہ کتاب تین درجن کے لگ بھگ زبانوں میں دنیا کے مختلف ملکوں میں چھپ چکی ہے۔ میرے ذاتی علم میں ایسے کثیر

لوگ ہیں جنہوں نے اس کتاب سے روشنی حاصل کر کے اسلام کو قبول کیا یا اگر وہ پہلے سے روایتی مسلمان تھے تو اس کتاب کے مطالعہ نے انہیں عملی مسلمان بنا دیا۔

یوسف اسلام یورپی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ نہایت سفید رنگ اور خوب صورت چہرہ' اس پر مسنون داڑھی اور اسلامی لباس ان کی شخصیت کو بہت باوقار اور پرکشش بنا دیتا ہے۔ ان کی آواز نہایت شیریں اور سریلی ہے اور وہ جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو ایک ایمان پرور سماں بندھ جاتا ہے۔

چند سال قبل یوسف اسلام سوڈان تشریف لے گئے۔ دیگر پروگراموں کے علاوہ خرطوم سے سوڈان ٹیلی ویژن نے ناظرین کو ایک انٹرویو دکھایا' انٹرویو بڑا دل چسپ اور معلوماتی تھا۔ اس انٹرویو کے دوران میں کئی ایک سوال پوچھے گئے۔ ان میں سے چند سوال اور ان کے جواب پیش قارئین ہیں:

انٹرویو کرنے والے نے یوسف اسلام صاحب سے پوچھا کہ "پاپ سنگر ہونے کی حیثیت سے ایک دور ان کی شہرت اور مقبولیت کا دور تھا۔ لاکھوں افراد ان کے ریکارڈ خریدتے اور سنتے تھے۔ بے پناہ آمدنی تھی غرض کہ دنیا کی ہر چیز بصورت دولت' حشمت اور تعیشات میسر تھی۔ اس کے برعکس اب ایک درویشانہ اور مقابلتاً خشک ماحول اور تقریباً گمنامی کا دور درپیش ہے۔ اس صورت حال میں ان کے تاثرات کیا ہیں؟"

یوسف اسلام کے سنجیدہ چہرے کی سنجیدگی میں اور اضافہ ہو گیا۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لئے نظریں جھکا لیں پھر سر اٹھایا اور فکر میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہا: "میں پہلے دور کو یاد کرتا ہوں تو تڑپ جاتا ہوں' تنہائیوں میں بیٹھ کر ندامت کے آنسو بہاتا ہوں۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اس نے بے پایاں رحمت سے مجھے اس دلدل سے نکالا۔ میں شیطان کا جھنڈا اٹھائے پھرتا رہا۔ اگر اس دور میں موت آجاتی تو اللہ کے ہاں کس منہ سے جاتا۔"

یوسف اسلام کہے جا رہے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کتنی خوش بختی ہے اس مرد درویش کی جسے ہادی برحق اللہ تعالیٰ نے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لا کھڑا کیا ہے۔ جاہلیت اور کفر کے دور کے بارے میں ان کے تاثرات کا خلاصہ یہ تھا"

یاد ماضی عذاب ہے یارب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

ایک اور سوال تھا کہ "آپ دنیا کے مقبول ترین گلوکار تھے۔ اب آپ نے یہ پیشہ ترک کر دیا ہے۔ مگر تنہائی میں تو کبھی کبھار کچھ گنگناتے ہوں گے؟"

یوسف اسلام کی آنکھوں میں چمک تھی اور اسی میں تیرتے ہوئے آنسو اس چمک کو دوبالا کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا: "میں اب تنہائیوں میں بھی اگر کچھ گنگناتا ہوں تو میری زبان پر اللہ کے پاک کلام کی کوئی آیت ہی آتی ہے۔ اگر آپ مجھ سے کچھ سننا چاہیں تو میں سوائے قرآن مجید کے کچھ پیش نہیں کر سکتا۔"

اس کے بعد انہوں نے سورہ بقرہ کا تیسرا رکوع خوش الحانی سے سنایا۔

یوسف اسلام تلاوت کر رہے تھے اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ قرآن مجید کی معجزاتی زبان اور اس کے ملکوتی حسن بیان میں قاری ڈوب چکا ہے۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ قرآن مجید یوسف اسلام کے دل کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا ہے۔ وہ منظر مجھے آج بھی اچھی طرح یاد ہے۔

ناظرین میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کی آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہوئے ہوں۔ یوسف اسلام کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے اور باقی لوگوں کی آنکھوں سے ڈھلک رہے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم روایتی و پیدائشی مسلمان اس لذت سے کیسے لطف اندوز ہو سکتے ہیں جو یوسف اسلام جیسے لوگوں کو عطا کی گئی ہے۔ ہماری آنکھیں تو محض تر ہو جاتی ہیں۔ یوسف اسلام جیسے لوگوں کی آنکھیں تو اشک بیازی سے آشنا نہیں؂

تر آنکھیں تو ہو جاتی ہیں پر کیا لذت اس رونے میں
جب خون جگر کی آمیزش سے اشک پیازی کر نہ سکا

یوسف اسلام اپنی بچیوں کو بھی قرآن مجید کی تعلیم دے رہے ہیں اور ان کی دونوں بڑی بیٹیاں جو ابھی چند سالوں کی ہیں' نہایت خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرتی ہیں۔ وہ قرآن مجید سے زیادہ کسی بھی چیز کو عوام الناس کو متاثر کرنے کے لئے مفید نہیں پاتے۔

انہوں نے "مسلم ایڈ" کے نام سے ایک فنڈ قائم کیا ہے جس کے لئے وہ چندے اور

اعانتیں جمع کرتے ہیں۔ اس فنڈ سے دنیا کے ہر خطے میں حاجت منداور مظلوم مسلمانوں کی مدد کی جاتی ہے۔ گزشتہ دورے میں یوسف اسلام صاحب نے افغان مجاہدین کے ساتھ تفصیلی ملاقاتیں کیں اور ان کے جذبہ جہاد سے بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے ایک ملاقات میں اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ سربکف افغان مجاہد نے ملت اسلامیہ کا سربلند کر دیا ہے اور ایمان کی قوت سے اسلحہ کو شکست دے دی ہے۔ بنگلہ دیش میں ہماری مسلمانوں کو مالی امداد دینے کے لئے یوسف اسلام بنگلہ دیش بھی گئے۔ اس دورے کے دوران میں انہوں نے مسلم نوجوانوں کے ایک اجتماع میں بھی شرکت کی۔

مغرب میں اب حالات بتدریج بدل رہے ہیں۔ یوسف اسلام اور ان جیسے مخلص مغربی مسلمانوں کو دیکھ کر ایمان بھی تازہ ہوتا ہے اور سنت اللہ بھی آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے کہ "اگر تم (پیدائشی مسلمان) اپنا فرض ادا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری قوم کو تمہاری جگہ لا کھڑا کرے گا' پھر وہ تمہاری طرح سہل انگاری نہیں کریں گے۔"

کیا معلوم کہ اب اسلام کا پرچم مغرب سے سربلند ہونے کا سامان کیا جا رہا ہو؟ (تحریر: حافظ محمد ادریس)

۲

۱۹۷۷ء کی بات ہے' یورپ میں شہرت کی بلندیوں کو چھونے والے پاپ سنگر کیٹ اسٹونز (Cate Stevense) نے اپنے قبول اسلام کے اچانک اعلان کے ساتھ مغرب کو حیرت زدہ کر دیا۔ یہ حیرت اس وقت اور زیادہ بڑھ گئی جب سابق کیٹ اسٹیفنز اور نو مسلم (اور موجودہ) یوسف اسلام نے خدمت اسلام کے لئے سربکف ہونے کا اعلان کر دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب وہ دولت' ناموری' اور شہرت کی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ اس کا فن برطانیہ میں ہی نہیں پورے مغرب سے خراج تحسین پا رہا تھا' اسے سننے کے لئے ہفتوں اور مہینوں پہلے سیٹیں بک ہو جاتیں۔ لیکن لہو و لعب کی یہ زندگی اس کے دل کو زیادہ عرصہ تک لبھا نہ سکی۔ وہ مغربی ثقافت کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والدین عیسائی تھے' وہ ہر طرز سے زندگی سے لطف اندوز ہوا۔ شراب نوشی اور ڈانس میں مصروف رہا' گانے لکھے بھی

اور گائے بھی' لیکن وہ اپنے دل و دماغ کی تنہائی دور نہ کر سکا۔ تنہائی کے اس احساس نے اسے ہندومت' بدھ مت' جین مت اور سائنسی علوم فلکیات و نیورالوجی وغیرہ کے مطالعے کی جانب مائل کیا۔ آخر کار وہ اللہ کی کتاب قرآن مجید تک بھی پہنچ گیا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ قرآن پوری دنیا کے لئے راہنما کتاب ہے اور پوری مسلم امت صرف ایک اللہ کو مانتی ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی کتاب کسی مخصوص علاقے یا قوم کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے تو اس کا ذہن بے اختیار اس کتاب کی جانب کھنچتا چلا گیا۔ پہلے پہل اس نے قرآن کا ایک انگریزی ترجمہ لیا' پڑھا تو محسوس ہوا کہ جس چیز کی اسے تلاش تھی وہ مل گئی ہے سورہ یوسف کا مطالعہ کیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ یہ مطالعہ ایک سال تک جاری رہا۔ اس دوران میں اگرچہ گانے کا سلسلہ بھی جاری رہا' لیکن اس جانب اس کی توجہ بتدریج کم ہوتی چلی گئی تا آنکہ دسمبر ۱۹۷۷ء کی ایک سہانی صبح لندن کی ایک مسجد میں پہنچ کر اللہ رب العالمین کی وحدانیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ یہی یوسف اسلام آگے چل کر برطانیہ کے ممتاز مسلم اسکالر ثابت ہوئے' جن کی اسلام سے وابستگی کو آج ۱۴ برس ہو چکے ہیں' لیکن وہ اس مختصر دورانئے میں ہی اپنے علم و عمل کی وجہ سے عالم اسلام میں نمایاں مقام حاصل کر چکے ہیں۔
وہ دامن اسلام سے وابستہ ہونے کے بعد نچلے نہیں بیٹھے' اس کے بعد انہوں نے زندگانی کا ایک ایک لمحہ اسلام کے فروغ و اشاعت اور مسلم امت کی امداد و اعانت بالخصوص افغان مہاجرین اور افریقہ کے قحط زدگان کے لئے وقف کر دیا۔ انہوں نے "مسلم ایڈ" کے نام سے ایک ادارے کی داغ بیل ڈالی۔ خود ان کے بقول "وہ مسلم ایڈ کے ذریعے سے مظلوم مسلمانوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ تصور عام ہو گیا ہے کہ خدمت خلق کا کام عیسائی کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں انسانی خدمت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔" یقیناً اللہ تعالیٰ کو ان کا اخلاص اور تندہی سے کام کرنے کا یہ جذبہ بڑا پسند آیا ہو گا اور ان کے لئے راہیں کشادہ ہو گئیں۔ وہ برطانیہ میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے بھی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں اور اس کے لئے وہ طلبہ اور طالبات کے لئے اسلامی طرز کے متعدد اسکولز قائم کر چکے ہیں۔
مہاجرین افغانستان سے اعانت کے ضمن میں جناب یوسف اسلام آج سے چار سال

قبل بھی پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں۔ اس دورے کے دوران میں انہوں نے افغان کیمپوں اور پشاور میں قائم مختلف امدادی مراکز کے دورے کے علاوہ افغان راہنماؤں سے جہاد افغانستان کے مختلف پہلوؤں پر اظہار خیال بھی فرمایا تھا۔ اپنے اس دورے کے دوران میں لاہور تشریف لائے تو مرکز تحریک اسلامی منصورہ بھی آئے' جہاں منصورہ آڈیٹوریم میں انہوں نے اہم خطاب بھی فرمایا تھا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ایک عجیب شکایت کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ "مجھے پاکستان میں مغرب کے پیروؤں کی جھلک نظر آئی ہے۔ میں نے پہلی بار پاکستان ٹی۔ وی پر خبرنامہ دیکھا تو ایسا لگا کہ خبریں پڑھنے والی' بی۔ بی۔ سی ہی کا ایک ماڈل ہے' جس کے سر سے ایک دھاگہ سا لپٹا ہوا ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مسلمان نیوز ریڈر ہے۔"

اب چار سال بعد جناب یوسف اسلام تشریف لائے ہیں تو ہمیں افسوس ہے کہ ٹی۔ وی کے اطوار اب بھی وہی ہیں بلکہ معاشرتی تناظر میں یہ بات کہی جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ بگاڑ فزوں تر ہوا ہے۔ تاہم احیائے اسلام کے لئے سربکف مجاہدین اس عزم سے سرشار ہیں کہ وہ ایک نہ ایک روز اس مسلمان مملکت کے خاکے میں وہ رنگ بھریں گے جس کی تیاری ۴۴ برس قبل قیام پاکستان کے وقت کی گئی تھی۔

جناب یوسف اسلام اس مرتبہ پاکستان تشریف لائے تو پشاور اور اسلام آباد کے بعد لاہور آئے۔ یہاں انہوں نے جماعت اسلامی' اسلامی جمعیت طلبہ اور تنظیم اساتذہ کے متعدد پروگراموں سے خطاب فرمایا۔ اس سلسلے کا سب سے بڑا پروگرام ۴ جنوری کو الحمرا ہال میں منائی جانے والی "یوسف اسلام کے ساتھ ایک شام" تھی جس کی صدارت نائب امیر جماعت جناب خرم مراد نے کی۔ مہمان خصوصی امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد تھے' جب کہ جناب یوسف اسلام مہمان مقرر تھے۔ نظامت کے فرائض امیر جماعت اسلامی پنجاب حافظ محمد ادریس انجام دے رہے تھے۔

استقبالیہ تقریب کا افتتاحی خطاب نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان جناب خرم مراد کا تھا۔ انہوں نے جناب یوسف اسلام کے حوالے سے تعارفی کلمات سے آغاز خطاب کیا۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ بیسویں صدی کے وسط میں استعمار کے چنگل سے عالم اسلام کے متعدد علاقے آزاد ہوئے لیکن استعماری قوتیں اس کے باوجود مطمئن تھیں کہ وہ فوجی لحاظ

سے تو ان علاقوں سے رخصت ہو رہی ہیں لیکن ان کی تہذیب' ثقافت' تعلیم' تمدن اور زندگی کا پورا نظام ان کے بعد بھی اسی طرح موجود ہے' لیکن اب الحمدللہ! وہ وقت بھی آگیا ہے کہ مغرب یہ خطرہ بھی محسوس کر رہا ہے۔ ان کا چھوڑا ہوا نظام بھی ناکامیوں سے دوچار ہو رہا ہے۔ دوسری طرف ملت اسلامیہ پھر بیدار ہو رہی ہے اور خصوصاً نوجوان نسل تو اسلامی انقلاب کی علمبردار بن رہی ہے۔

جناب خرم مراد کے بعد نو مسلم راہنما اور مہمان مقرر جناب یوسف اسلام کو دعوت خطاب دی گئی۔ "مغرب' اسلام اور مسلم امت" ان کا موضوع تھا۔ انہوں نے فرمایا: آج کے دور میں جہاد افغانستان نے اسلامی تہذیب اور عقائد کے تحفظ کے لئے درپیش خطرات کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے تو رب العالمین نے بھی ان کی ہر طرح سے تائید و نصرت فرمائی۔ آج سوویت یونین کی بربادی اور شکست و ریخت کی بڑی بڑی توجیہات پیش کی جاتی ہیں مگر دریافت طلب امر ہے کہ کیا یہ گیارہ سالہ افغان جہاد کا کرشمہ نہیں ہے؟ اس حقیقت کا انکار کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ افغانوں نے جارح روس کا خون نچوڑنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ پھر اسی مثال پر موقوف نہیں' تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مسلمانوں نے جنگیں محض ہتھیاروں کے زور پر نہیں جیتیں بلکہ ان میں اللہ پر کامل ایمان اور ان کے اپنے مثالی اخلاق و کردار کو بھی بڑا دخل حاصل رہا ہے۔ ہماری آج کی زبوں حالی اور ناکامیوں کے اسباب میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم میں تقویٰ کا فقدان اور مادی اشیاء پر بھروسہ بہت بڑھ گیا ہے۔ ستم ظریفی کی انتہا یہ ہے کہ امت مسلمہ اپنے منصب و وقار سے ہی محروم نہیں ہو گئی بلکہ اس احساس سے بھی نابلد ہو چکی ہے کہ اس کا مقام دنیا کے پیچھے چلنا نہیں بلکہ دنیا کی امامت و سیادت کرنا ہے۔ میرے خیال میں آج ہماری سب سے بڑی ضرورت اور ذمہ داری یہ ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان اپنی عظمت' وقار اور قوت کو بحال کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں' لیکن جان لیں کہ مغرب سے سیکنڈ ہینڈ چیزیں خرید کر ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایک مسلمان جان لے کہ اس کے لئے گائڈ بک صرف اور صرف قرآن وسنت ہیں۔ امت مسلمہ کے لئے یہی ذریعہ نجات ہے اور یہی وہ منشور ہے جس پر کاربند رہتے ہوئے وہ پوری دنیا پر حکمرانی کر سکتے ہیں۔ میرے لئے یہ امر حد درجہ حیران کن ہے کہ آج کے مسلمان قرآن کی طرف لوٹنے کی بجائے مغربی تہذیب

میں داخلے کے لئے اس کے دروازے کھٹکھٹا رہے ہیں تاکہ ان کے سسٹم میں پناہ لیں۔ میرے نزدیک مسلمانوں کا بے دینی پر مبنی کردار بڑی عجیب' حیرت انگیز اور اذیت ناک چیز ہے۔ وہ اپنے بچوں کو ڈگریاں' ڈپلومے اور تعلیمی امتیازات دلوانے کے لئے مغربی تعلیم سے رجوع کر رہے ہیں۔ اس طرز عمل کے حامل مسلمانوں سے میرا سوال ہے کہ کیا اس طرح وہ غیراللہ اور باطل کی پرستش نہیں کر رہے؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ مغرب میں ان کے خلاف کیا جذبات پائے جاتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ مغرب ہی ہے جو اس دور میں اسلام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے کی سب سے زیادہ کوششیں کر رہا ہے۔ وہاں کے ذرائع ابلاغ جو آزادی رائے اور آزادی اظہار کے بڑے علمبردار کہلاتے ہیں وہ اہل مغرب کو اسلام کے بارے میں کنفیوز کرتے ہیں اور یوں وہاں اسلام کی مسخ شدہ تصویر پیش کی جا رہی ہے۔"

جناب یوسف اسلام کا یہ فکر افروز خطاب جابجا آیات قرآنی سے مزین تھا۔ انہوں نے اپنے خطاب کا اختتام قرآن عظیم کی اس آیت سے کیا:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۠

"(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر' نبی امی کی پیروی اختیار کریں' جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے' بدی سے روکتا ہے' ان کے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی حمایت اور نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے وہ فلاح پانے والے ہیں۔" (الاعراف: آیت ۱۵۷)

جناب یوسف اسلام کے بعد تقریب استقبالیہ کے مہمان خصوصی امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد کو کلیدی خطاب کے لئے پکارا گیا تو الحمرا کے در و دیوار حاضرین کے

نعروں سے گونج اٹھے: لا شرقیہ' لا غربیہ۔ اسلامیہ اسلامیہ 'اسلامی انقلاب' جہاد اور اللہ اکبر کے ان نعروں نے پورے ماحول میں ایک عجیب طرح کا جوش و خروش بھر دیا۔ قاضی صاحب کا خطاب متعدد قومی اور بین الاقوامی موضوعات کا احاطہ کئے ہوئے تھا۔ انہوں نے تہذیب مغرب کے حوالے سے مسلمانوں کے رویے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا:
"مغربی تہذیب مسلمانوں کی دشمنی پر مبنی ہے' مسلمان اس تہذیب کے متعلق خوش گمانی کا شکار نہ ہوں۔ یہودی اور عیسائی اس تہذیب کے خالق اور روح رواں ہیں اور ان اقوام کے متعلق خود قرآن میں واضح طور پر کہہ دیا گیا ہے کہ:

"یہود اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے' جب تک ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ وہی ہے' جو اللہ نے بتایا ہے۔ ورنہ اگر اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے' تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لئے نہیں۔" (البقرہ)

سائنسی تعلیم کا حصول' تجارت اور تبادلے دوسری بات ہیں' مگر مسلمانوں کو جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انہیں جگری دوست نہ بنایا جائے۔ بلکہ امت مسلمہ کو ایک اور ذمہ داری سونپی گئی ہے کہ وہ اسلام کے پیغام ہدایت کو پوری دنیا پر آشکارا اور عام کر دیں۔ آج کے حالات میں اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ ایک ایسا صحیح اور مثالی مسلم معاشرہ قائم ہو۔"

جناب یوسف اسلام کے ساتھ منائی جانے والی اس شام کا اختتام جناب یوسف اسلام ہی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ یہ ایک عجیب فرحت انگیز منظر تھا کہ وہ شخص جو ایک زمانے تک مغرب میں پاپ میوزک کی علامت بنا رہا' ۴ جنوری کی شام ایک ایمان افروز ترنم کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا تھا۔ پڑھنے والے کی حلاوت ایمانی' قلبی توجہ' جذب و شوق اور سب سے بڑھ کر کلام ربانی کی تاثیر حاضرین مجلس کے قلوب کو بھی اپنے دائرے میں لے رہی تھی۔ یوں ۹۰ منٹ کی یہ مجلس اختتام کو پہنچی۔

(تحریر: عباس اختر اعوان)

۳

رشد و ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بے بہا عطیہ ہے' جس کو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ یوسف اسلام جو آج سے چند سال قبل یورپ اور مغربی دنیا کے سپر اسٹار گلوکار تھے' پکے کیتھولک عیسائی مذہب کے پیروکار' لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جب انہوں نے اسلام کو قبول کیا تو ان کے ذہن کی ساخت' ان کے افکار و جذبات' ان کی دلچسپیاں سب کچھ بدل گیا اور انہوں نے اب اپنی پوری زندگی کو اعلائے کلمتہ اللہ اور اشاعت اسلام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ آج یوسف اسلام نہ صرف مغربی دنیا میں اسلام کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں بلکہ اسلامک ایجوکیشنل ٹرسٹ کے نام سے ایک سکول بھی چلا رہے ہیں' جہاں نہ صرف یورپی ماحول میں بچوں کی بہترین اسلامی تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہے بلکہ یہ ادارہ سکولز میں حلال فوڈ بھی سپلائی کرتا ہے۔ آیئے! ہم دیکھتے ہیں کہ یوسف اسلام نے کس طرح قبول اسلام کیا اور ان کی قبل ازیں کیا دلچسپیاں تھیں؟

یوسف اسلام ۱۹۴۸ء کو لندن میں پیدا ہوئے۔ ان کی والدہ سویڈن سے' جب کہ باپ کا تعلق قبرص سے تھا۔ وہ بچپن ہی سے گانے بجانے کی طرف مائل تھے۔ لندن کے ماحول خصوصاً اس کی نائٹ کلبوں نے ان کو بہت متاثر کیا۔ ان کا اصل نام Cate Stevense تھا۔ دنیاوی شہرت کی غرض سے انہوں نے بطور سنگر فیلڈ کا انتخاب کیا اور ابھی جوانی میں قدم رکھا ہی تھا کہ ان کا شمار وصف اول کے گلوکاروں میں ہونے لگا۔ چونکہ ان کا تعلق کیتھولک عیسائی مذہب سے تھا اس لئے ان کی تربیت بھی اسی ماحول میں ہوئی تھی لیکن ان کے ذہن میں مختلف سوالات ابھرتے رہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ شروع کیا۔ ہندو ازم اور دیگر مذاہب کو پڑھا لیکن ان کو حق اور سچائی کی جو تلاش تھی اس کی تسکین نہ ہو سکی۔ چنانچہ اب انہوں نے اپنے گانوں کے انداز کو تعمیری انداز میں بدل دیا اور ذہن میں ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ مرنے کے بعد کیا ہو گا؟ اگر مرنے کے بعد زندگی ہے تو کیسی ہے؟ کائنات کے وجود پر شکوک تھے۔ بے راہ مسافر کی طرح منزل کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے تھے' جذبے کے متلاشی تھے۔ ساتھ ہی گلوکاری کا شوق بھی عروج پر تھا۔ ان کے نام کی کیسٹ کو لوگ دیوانہ وار خریدتے۔ جب اللہ کریم کسی کو

ہدایت نصیب کرتا ہے تو سبب اور وسائل بھی پیدا کرتا ہے۔ ان کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ان کے دل و دماغ کو ہلا کر رکھ دیا' ان کی زبانی پڑھتے ہیں:

"میں امریکہ کے فیشن ایبل اور مہنگے ترین ساحلی علاقے میں ایک روز سمندر میں تیراکی کر رہا تھا کہ سمندر کی ایک تیز رو مجھے بہا کر لے گئی۔ میں ڈوبنے ہی والا تھا کہ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا: "اے خدا! مجھے بچالے۔ میں تیرے لئے کام کروں گا۔" اچانک موج پیچھے پلٹ گئی اور میں پھول کی طرح تیرتا ہوا ساحل پر آپہنچا۔ جب میں واپس پہنچا تو اس ذات کا شکر گزار تھا مگر اس غیر مرئی طاقت کا کچھ پتہ نہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد میرا بھائی ڈیوڈ یروشلم گیا جہاں اسے اسلام سے واقفیت ہوئی' مسلمانوں کے بارے میں پتہ چلا۔ جب وہ واپس برطانیہ آیا تو دوسرے مذاہب کی کتابیں میرے پاس دیکھ کر مجھے قرآن پاک کا تحفہ دیا۔ میں نے اس کا مطالعہ شروع کر دیا۔ وہ سوال جو میرے ذہن میں بار بار اٹھتے تھے ان کے جواب ملنا شروع ہو گئے۔ یونانیوں اور ترکوں سے دشمنی کی وجہ سے اگرچہ ابتدا میں میرا ذہن اسلام کے خلاف تعصب سے بھرا پڑا تھا لیکن میں نے اس پر قابو پا کر منطقی انداز میں قرآن حکیم کا مطالعہ کیا' آخر میں نے اسلام کو قبول کر لیا۔"

یوسف اسلام نے امریکہ میں ڈوبنے والے واقعہ میں اللہ کو یاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہدایت مل گئی۔ یہودی اور عیسائی بھی اللہ پر یقین رکھتے ہیں لیکن بائبل وغیرہ تضادات کا مجموعہ ہے' جس سے ان کو تسلی نہ ہوئی مگر قرآن پاک نے تمام راز کھول کر بیان کئے ہیں۔ قبول اسلام کے کچھ عرصہ بعد تک انہوں نے مزید اسلامی کتب کا مطالعہ کیا لیکن ساتھ گانا بھی گاتے رہے۔ اب ان کے ذہن میں آیا کہ اسلامی گانے گاؤں گا لیکن جب انہوں نے اسلامی تعلیمات کو جانا تو پتہ چلا کہ یہ گانا بجانا لغو اور فضول چیزیں ہیں اور اسلام ان سے منع کرتا ہے۔ عیسائی سمجھتے ہیں کہ وہ روحانی اثر کے تحت گائے گا مگر حقیقتاً گانا جذباتی کیفیت کا ہوتا ہے جس میں نشہ آجاتا ہے اور انسان کا نروس سسٹم متاثر ہوتا ہے' جب کہ قرآن ہوش مندی کا درس دیتا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کی والدہ سویڈن سے اور باپ قبرص سے ہو' خود ان کی زندگی لندن میں گزری ہو' جس کے اوپر تین تہذیبوں کا اثر ہو' جس کے پاس دنیا کے تمام وسائل موجود ہوں' لاکھوں دیکھنے والے ہوں' لاکھوں پاؤنڈ آمدنی ہو —— ان کا دل اپنی شناخت چاہتا تھا لیکن جب انہوں نے قرآن کو پڑھا تو پتہ

چلا کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کو فقط اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور بلا امتیاز رنگ و نسل ایک رتبہ دیا ہے تو انہوں نے ہر قسم کی دلچسپیوں کو چھوڑ کر تبلیغ اسلام کو اپنا مقصد زندگی بنالیا۔ جس کے تحت انہوں نے سب سے پہلے اسلامک سکول لندن کی بنیاد رکھی' جس میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ لندن کے ماحول کے باوجود لڑکیاں سکارف پہنتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ سکول اردگرد کے تمام سکولز میں حلال فوڈ بھی مہیا کرتا ہے۔ آج اس سکول کی اہمیت اس قدر ہے کہ اس سال داخلہ کے لئے بارہ سو طالب علموں کی درخواستیں آئی ہیں۔

یوسف اسلام کے قبول اسلام پر اگرچہ عوام اور مغربی پریس نے نفرت کا اظہار کیا لیکن انہوں نے اپنے انٹرویو میں ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ مغربی میڈیا کی زیادہ تر دلچسپی سنسنی پھیلانے اور قیاس آرائیوں کے ذریعے سے پروپیگنڈہ کی ہوتی ہے۔ عام لوگوں کے ذہنوں میں جتنے بھی شکوک و شبہات ہیں' وہ اسلام سے ناواقفیت کی وجہ سے ہیں۔ ان میں سے جب کوئی شخص اسلام کو قبول کرلیتا ہے' پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ نفرت اور شبہات غلط ہیں۔ اسلام کے خلاف مغربی میڈیا کے پروپیگنڈہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موجودہ دور میں چونکہ اکثر مسلمان ممالک میں ناانصافی' ظلم اور سیاسی عدم استحکام ہے' جب کہ اسلام کی بنیاد ایمان' انصاف اور اخوت پر ہے' اس لئے مسلم دنیا میں موجود کنفیوژن سے یہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یوسف اسلام مغربی جمہوریت کے مخالف ہیں' کیونکہ جمہوریت مسائل کا عارضی حل ہے۔ مفاد پرستی' اجارہ داری اور کرپشن اس میں عام ہو جاتی ہے اور معاشرے کے صرف چند طبقات فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یوسف اسلام نے ایک سال قبل پاکستان کا دورہ کیا تھا اور کافی متاثر ہوئے' کیونکہ پاکستانی اپنے ملک میں بڑے فخر اور تشخص کے ساتھ رہتے ہوئے اپنی کھوئی ہوئی ساکھ کی تلاش میں ہیں۔ کاش! پاکستان فرقہ واریت سے دور رہ کر اخوت اور بھائی چارے کا گہوارہ بن جائے۔ پاکستان کو اچھی لیڈرشپ کی ضرورت ہے' جو اسے نازک حالات سے نکال کر کامیابی سے ہمکنار کردے۔

یوسف اسلام کی چار بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ بیوی کی پرورش کینیا میں ہوئی' جہاں

ان کا خاندان پاکستانی کمیونٹی کے قریب تر ہے' اس لئے وہ بھی پاکستانیوں سے محبت کرتے ہیں۔ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی ان کا سلوک بہت اچھا ہے۔

یوسف اسلام مسلمانوں کی موجودہ پستی سے کافی پریشان ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام ہمیں سائنسی علوم حاصل کرنے کی تلقین کرتا ہے' اس کی اہم مثال قرآن و حدیث کی سائنسی بنیادوں پر ترتیب ہے۔ مسلمان اس میدان میں سب سے آگے تھے' لیکن اب مشینری' اسلحہ اور دوسری سائنسی ایجادات ہم غیروں سے خریدنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے پاس تمام وسائل موجود ہیں مگر ان کا صحیح استعمال نہیں کرتے' اس لئے وہ ضائع ہو رہے ہیں۔

یوسف اسلام کی زندگی کا واحد مقصد اسلامی نشرو اشاعت اور نوجوان نسل کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا ہے' اس لئے وہ اپنے سکول کے معیار کو بلند کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ کیسٹ کے ذریعے سے سیرت پروگرام بھی تیار کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ نے اگرچہ ان کے سکول کی گرانٹ بند کر دی ہے' لیکن اس سے ان کے حوصلے پست نہیں ہوئے بلکہ وہ توکل علی اللہ پر دوسرے شہروں میں بھی مزید سکول کھولنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یوسف اسلام کو خدمت اسلام کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے' آمین!

قبول اسلام کے بعد پہلا بیان:

۵ رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ کو شائع ہونے والے جریدہ "المدینہ" میں اس عالمی شہرت کے مالک "کات سٹیفنز" کے مسلمان ہونے کا واقعہ شائع کیا گیا۔

حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد اس نے اپنا نام بدل کر یوسف اسلام رکھ لیا۔ ہم اس مضمون میں سے چند اہم اقتباسات کا تذکرہ کرتے ہیں:

"مسلمان ہونے کے بعد جب میں نے گانا اور موسیقی وغیرہ سننا بھی چھوڑ دیا تو مغربی باشندوں کو یہ دیکھ کر انتہائی صدمہ ہوا اور وہ میرے بارے میں پوچھنے لگے کہ تو کیسے بدل گیا؟ پھر ہر طرح کے وسائل نشرواشاعت میرے لئے بند کر دیے گئے اور انہوں نے مکمل طور پر مجھے گمنام کرنے کی کوشش کی۔ اس لئے کہ مغربی ممالک میں وسائل نشرواشاعت اور ان کی تمام کنجیوں کے مالک یہودی ہیں۔

میرے بھائی کا مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے جانا اور وہاں سے قرآن کریم کے عربی، انگلش نسخے لانا تاکہ مذاہب ساویہ کا مطالعہ کیا جا سکے، میرے لئے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔ پہلے پہل میں صرف قرآن مجید ہی پڑھا کرتا تھا، حتیٰ کہ میں نے اسے ختم کر لیا۔ پھر سیرت الرسول ﷺ کا مطالعہ کیا جس سے میں انتہائی متاثر ہوا۔ اس طرح میں نے تقریباً ڈیڑھ سال کی علمی تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کر لیا کہ صحیح ترین مذہب یا دین اسلام ہی ہے اور میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ مسلمانوں کے آپس میں اختلافات سے واقف ہونے سے پہلے ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

میں بیت المقدس کی زیارت کے لئے گیا تو لوگ مجھے مسجد میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے، میں بھی مارے خوشی کے رو دیا اور نماز شکر ادا کی۔ بیت المقدس عالم اسلام کا دل ہے اور درحقیقت جب دل بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بیمار ہو جاتا ہے، اس کی شفا اسی میں ہے۔ لہٰذا ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اسلام کے نام پر اس دل کو آزاد کروا کر چھوڑیں۔

فلسطینی عوام پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ اور دین کو پہچانتے ہوئے اس پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوں اور خصوصاً نماز کی پابندی کریں۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی عنقریب مدد فرمائے گا۔

جب کلمہ پڑھ کر میں مسلمان ہو گیا تو مجھے مسلمانوں نے کہا کہ تمباکو نوشی غلط فعل ہے تو میں نے فوراً چھوڑ دی، اسی طرح گانا بجانا، موسیقی، شراب نوشی اور عورتوں سے میل جول سب کچھ ترک کر دیا۔

پھر میں نے پردہ کی پابند مسلمان عورت شادی کے سلسلہ میں اپنے لئے پسند کی، اس لئے کہ اب میرے نزدیک حسن و جمال کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ فضیلت اور اہمیت صرف اسلام اور ایمان کی ہے۔ اب میں اپنی تمام تر توجہ عربی زبان سیکھنے پر مرکوز کر رہا ہوں تاکہ قرآن مجید کے معانی اور مفہوم کو سمجھ سکوں اور اس کی حلاوت پا سکوں۔ پھر بعد میں عظمت اسلام کے موضوع پر خوب لٹریچر لکھوں گا تاکہ روز محشر مبلغین اسلام میں میرا شمار ہو۔

کلمہ شہادت پڑھ لینے کے بعد میرے نزدیک پانچوں نمازیں اپنے اپنے وقتوں پر پابندی کے ساتھ ادا کرنا ارکان اسلام میں ایک بڑا اہم رکن ہے، جو ہر مسلمان کے لئے ایک قلعے کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں خود ہر نماز کے بعد خلاف عادت غیر شعوری طور پر ایک راحت،

اطمینان اور سکون محسوس کرتا ہوں۔"

یوسف اسلام آج کل انگلینڈ میں قیام پذیر ہے۔ اس نے تبلیغ اسلام کی خاطر اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ وہاں اس نے ایک مسجد بھی تعمیر کروائی ہے' مسلمان اس کے پاس آتے ہیں اور ہر طرح سے اس کی معاونت کرتے ہیں۔ وہ اپنے پختہ عقیدے' محبت اسلام اور جذبہ جہاد کے باعث قدیم مسلمانوں پر سبقت لے گیا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے اور اس قسم کے دوسرے مسلمانوں کے لئے ثابت قدمی اور مزید دینی خدمات کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ (تحریر: شفیق الرحمان' برطانیہ)

۴

مجھے ایک تربیتی کورس کے سلسلے میں اپریل تا جولائی لندن میں قیام کا موقع ملا۔ ایک روز اسلامی کتابوں کی ایک دکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک چھوٹی سی کتاب ISLAM: MY RELIGION (اسلام —— میرا دین) پر نظر پڑی۔ مصنف کا نام کیٹ سٹیونز (CAT STEVENS) لکھا تھا اور اندر کے صفحے پر وضاحت کی گئی تھی کہ یہ صاحب برطانیہ کے مشہور موسیقار اور پاپ سنگر رہے ہیں' اب مشرف بہ اسلام ہو چکے ہیں اور یوسف اسلام کے نام سے موسوم ہیں۔ میں نے یہ کتاب خرید لی اور اسے شوق سے پڑھا۔ یہ دراصل یوسف اسلام کا ایک انٹرویو تھا جو مارچ ۱۹۸۰ء میں لیا گیا تھا۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

سوال: میں پہلا سوال یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اسلام کے بارے میں معلومات کس ذریعے سے حاصل ہوئیں؟

جواب: اسلام کے بارے میں مجھے سب سے پہلے اپنے بھائی ڈیوڈ کے ذریعے سے معلومات حاصل ہوئیں۔ پانچ سال پہلے انہوں نے یروشلم کا سفر اختیار کیا تھا۔ وہاں انہوں نے جن مقدس مقامات کی زیارت کی' ان میں ایک مسجد اقصیٰ بھی تھی۔ اس سے قبل وہ کبھی کسی مسجد کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ یہاں کی فضا مسیحی گرجوں اور یہودیوں کے

معبدوں سے اس قدر مختلف تھی کہ انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ یہ دین (اسلام) عیسائیت کی طرح پراسرار کیوں نہیں ہے؟ وہ مسلمانوں کے رویے اور سکون بخش انداز عبادت سے بہت متاثر ہوئے۔ انگلستان واپس پہنچتے ہی انہوں نے قرآن حکیم کا ایک نسخہ خریدا اور لاکر مجھے دیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں رہنمائی کا محتاج تھا' الحمد للہ!

سوال: جب آپ نے قرآن کا مطالعہ کیا تو آپ کو کس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا؟

جواب: یہ اس پیغام کی دائمی نوعیت تھی۔ میں حیران تھا کہ الفاظ سب کے سب جانے بوجھے قسم کے تھے لیکن ہر اس چیز سے بے حد مختلف تھے جس کا میں پہلے مطالعہ کر چکا تھا۔ اس مرحلے تک زندگی کا مقصد میرے لئے ایک سربستہ راز کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہمیشہ مجھے اس بات پر یقین رہا کہ زندگی کی اس تصویر کشی کے پس پردہ ایک زبردست تخلیق کار کا ہاتھ ہے۔ لیکن وہ ان دیکھا تخلیق کار کون ہے؟ اس کا پتہ نہ چلتا تھا۔ میں اس سے پیشتر بہت سے روحانی راستوں کی جادہ پیمائی کر چکا تھا' لیکن تسکین کی پیاس کہیں نہیں بجھی۔ میں ایک ایسی ناؤ کی مانند تھا جو پتوار اور کھیون ہار کے بغیر چلی جارہی تھی اور جس کی کوئی منزل مقصود نہ تھی۔ لیکن جب میں نے قرآن کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں اس کے لئے اور یہ میرے لئے تخلیق کیا گیا ہے۔ میں ڈیڑھ سال سے زیادہ عرصہ تک اس کا بار بار مطالعہ کرتا رہا۔ اس دوران میں میری ملاقات کسی بھی مسلمان سے نہ ہوئی۔

میں قرآن کے پیغام میں پوری طرح مستغرق ہو چکا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب جلد ہی یا تو مجھے پوری طرح ایمان لے آنا ہو گا یا پھر اپنی ہی راہ پر چلتے چلتے موسیقی کی دنیا میں کھوئے رہنا ہو گا۔ یہ میری زندگی کا سب سے مشکل قدم تھا۔ ایک روز مجھے کسی نے بتایا کہ لندن میں ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ پس اب میرے لئے اپنا دین قبول کرنے کا وقت آ پہنچا تھا۔ ۱۹۷۷ء کے موسم سرما کی بات ہے کہ ایک جمعہ کے روز میں مسجد کی طرف چل کھڑا ہوا۔ نماز جمعہ کے بعد میں امام صاحب کے پاس پہنچا اور انہیں بتایا کہ میں قبول اسلام کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مسلم برادری سے یہ میرا پہلا رابطہ تھا۔

سوال: اب آپ مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب: میرا خیال ہے کہ بہت سارے مسلمان اپنا راستہ کھو بیٹھے ہیں' کیونکہ انہوں نے صحیح طور پر قرآن کا مطالعہ نہیں کیا۔ یہ تو علم کا جوہر ہے اور جو لوگ اسے سمجھنا چاہتے ہیں

ان کے لئے بھی ہدایت کا حامل ہے۔ میرا ایمان ہے کہ اسلام اصل میں صرف ایک ہی ہے یعنی اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی فرماں برداری' میرے نزدیک جنت کا یہی واحد محفوظ راستہ ہے۔ ہمیں سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنا چاہئے۔ اس کے لئے ہمیں اپنے علم میں اضافہ کرنا چاہئے اور راہ حق پر چلنے والوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے خزانے کی بے شمار کنجیاں دنیا میں بکھیر کر اسے محفوظ فرما دیا ہے۔ ہم مسلمانوں کو صرف آپس میں قریب آنے کی ضرورت ہے تاکہ صحیح معنوں میں اسلام کی حقانیت کی زیادہ جامع تفہیم حاصل ہو سکے۔ تمام مسلمان ایک اللہ' ایک قرآن اور ایک رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر فرد اپنی پسند کے مطابق اپنی راہ متعین کرتا ہے۔ آخرت میں ہر کوئی اپنے ہی اعمال کا ذمہ دار ٹھہرے گا۔

سوال: آپ کے لئے یہ کس قدر دشوار ثابت ہوا ہو گا کہ اچانک وہ بہت ساری باتیں ترک کر دیں' جن کے آپ پہلے عادی رہ چکے تھے؟

جواب: یہ دشوار نہیں تھا کیونکہ میں بہ خوبی جانتا تھا کہ ان برائیوں کو ترک کر دینا ہی بہتر ہے۔ یہ برائیاں دراصل مجھے تباہ کر رہی تھیں' مثلاً شراب نوشی' سگریٹ نوشی اور سود خوری وغیرہ۔ لیکن اپنے پرانے دوستوں سے قطع تعلق کرنا میرے لئے سب سے زیادہ دشوار ثابت ہوا۔ میں یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ وہ لوگ پیغام اسلام کا فہم کیوں پیدا نہیں کر سکے؟ جہاں تک مجھ سے ممکن ہوا' میں ان سے دوستی نبھاتا چلا گیا لیکن ایک ایسا وقت بھی آیا جب اپنے دین کی خاطر میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنے ماضی اور اسلام کے درمیان مجھے ایک خط کھینچنا ہو گا۔ اس کے لئے مجھے کئی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ مثال کے طور پر جب میں غیر مسلموں کے درمیان ہوتا تو ان سے معذرت طلب کر کے چپکے سے نماز کے لئے نکل جاتا۔ میں یہ نہ بتاتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟ کیونکہ یہ ان کے لئے قدرے عجیب سی بات ہوتی۔ پھر ایک روز میں نے تہیہ کر لیا کہ اب میں سب کو بتا دوں گا کہ میں نماز کی ادائگی کے لئے جا رہا ہوں۔ چنانچہ سب نے میرا نقطہ نظر سمجھ لیا اور اس کے لئے وہ میری عزت کرنے لگے۔ جب آپ اپنی بات پر ڈٹ جائیں اور اپنا فرض ادا کرتے چلے جائیں تو اللہ اس میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ اس کے بعد مجھے کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

سوال: آپ اپنے ماضی کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

جواب: میں پندرہ برس کا تھا جب مجھے موسیقی سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میرے والد میرے لئے ایک چھتارا (گٹار) لے آئے اور میں نے اپنے گیت لکھنے کا آغاز کر دیا۔ میں نے کیٹ سٹیونز کا نام منتخب کیا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں میرا پہلا ریکارڈ بہت مشہور ہوا۔ میں بہت کامیاب ہوا اور میرے گانوں کے ریکارڈ یورپ بھر میں فروخت ہونے لگے۔ لیکن یہ شو بزنس مجھے راس نہ آیا۔ میں نے کثرت سے مے نوشی اور سگریٹ نوشی شروع کر دی' لہذا میں دق کا مریض بن گیا۔ اس سے میرا یہ ذریعہ معاش ختم ہو گیا اور مجھے چند ماہ ہسپتال میں رہنا پڑا۔ اس دوران میں میں نے مشرقی فلسفے کا مطالعہ شروع کیا۔ میرے پاس ایک کتاب تھی' جس کا نام THE SECRET PATH (خفیہ راستہ) تھا۔ یہی کتاب روحانی معاملات سے میرا پہلا تعارف ثابت ہوئی۔ اسی کے ذریعے سے میں طمانیت وبصیرت کی تلاش کے لیے سفر پر روانہ ہوا۔ اس سفر نے بالآخر مجھے اسلام کے دروازے پر پہنچا دیا۔ میں نے ایسے گیت لکھنے شروع کئے جن میں اس روحانی بیداری کا اظہار ہوتا تھا۔ چنانچہ میرے یہ گیت میری سرگزشت بنتے چلے گئے۔

میں اکیس برس کا تھا جب مجھے پہلی عالمی سطح کی بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ میرے ان گیتوں کا سلسلہ TEA FOR TILLER MAN کے نام سے مشہور ہوا اور اس طرح میرا شمار اعلیٰ درجے کے فنکاروں میں ہونے لگا۔ میں سوچتا ہوں کہ ایک لحاظ سے میرے گانوں کے سلسلے میری اگلی منزل اور میرے سفر کے مختلف مراحل ثابت ہوئے۔

سوال: اس زمانے میں لوگ ساز و سنگیت کے متوالے ہو رہے ہیں' حتیٰ کہ مسلمان بھی اس میں کھوئے جا رہے ہیں' اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: بدقسمتی سے آج کل لوگ اپنی اونیٰ خواہشات کے مطابق چیزوں کی خریداری کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ ریکارڈ' فلمیں' ٹیپ' رسالے —— ان میں سے اکثر پیسہ کمانے کی غرض سے ہی بنائے جاتے ہیں۔ پاپ موسیقی سننا تو خواب دیکھنے کی طرح ہے۔ اس سے عارضی طور پر چین ملتا ہے' اس قسم کی موسیقی سننے والے عموماً حقیقت سے اتصال کے آرزومند ہوتے ہیں۔ موسیقی انہیں کچھ وقت کے لئے سکون پہنچاتی ہے۔ یہ اس بے رحم نظام سے تھوڑی دیر کے لئے فرار ہے' جسے ہم ماڈرن زندگی کہتے ہیں۔

سوال: تو کیا آپ نے موسیقی سے قطع تعلق کر لیا ہے؟

جواب: میں نے موسیقی کے مشاغل ترک کر دیئے ہیں۔ مجھے خطرہ تھا کہ یہ مشاغل مجھے صراط مستقیم سے بھٹکا نہ دیں۔ میرا یہ کہنا شاید بڑا بول نہ سمجھا جائے گا کہ میں اب کبھی موسیقی کا شغل اختیار نہیں کروں گا' لیکن اس کے ساتھ "ان شاء اللہ" کہے بغیر بات مکمل نہیں ہو سکتی۔

سوال: اب آپ کیا پیشہ اختیار کریں گے؟

جواب: میں دراصل صرف اللہ کا کام کر رہا ہوں۔ وہی میری دست گیری کر رہا ہے اور اس نے ایسا انتظام فرما دیا ہے کہ میں اپنا کام جاری رکھ سکوں۔ میری خواہش ہے کہ میں برطانیہ میں تبلیغ اسلام کی خدمت کر سکوں' اس کے لئے مجھے خواہ کچھ ہی کرنا پڑے اور کسی بھی حیثیت سے خدمت انجام دینی پڑے۔ مسلم برادری روز بہ روز مستحکم ہو رہی ہے۔ اس وقت میرا کام عربی زبان کی تحصیل ہے۔ میری بڑی آرزو ہے کہ میں قرآن کو سمجھ سکوں۔ بہت سارے مسلمان عربی پڑھ سکتے ہیں اور ان کے لئے یہ کوئی خاص بات نہیں۔ لیکن مجھے ابھی تفہیم قرآن کا مرحلہ طے کرنا ہے۔ قرآن حکیم کی ہر آیت مکمل ہدایت ہے اور بذات خود ایک باب کا درجہ رکھتی ہے۔ مجھے اکثر یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ لوگ قرآن کا مناسب احترام نہیں کرتے اور اسے معمولی بات سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سب زمانوں کے لئے کار آمد ہے۔ یہ ہر سچے دیندار کے لئے ایک مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔

سوال: برطانیہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ دین کی سرگرمیوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: اس سلسلے میں ہمیں احتیاط برتنی چاہئے اور عیسائیوں کا طریق کار اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ہم سب کی ایک بڑی ذمہ داری ہے۔ اسلام کا پیغام صرف زبان سے ہی نہیں پھیلانا چاہئے۔ پہلے تو آپ اس بات کو یقینی بنائیں کہ آپ کے اپنے اعمال درست ہیں' پھر سادہ اور واضح طریقے سے اتنی خوشخبری سنائیں کہ قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ (کہئے کہ وہ اللہ ایک ہے) اس بات کی کوشش نہ کریں کہ اسلام کا پورا پیغام ایک ہی بار منتقل کر دیا جائے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کیا تو ان سے فرمایا کہ تم ان لوگوں کی طرف جا رہے ہو جو اہل کتاب ہیں' لہٰذا انہیں سب سے پہلے

توحید کی دعوت دینا۔ جب یہ بات ان کی سمجھ میں آ جائے تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی جائیدادوں میں سے زکوٰۃ دینے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ زکوٰۃ ان میں سے مالدار لوگ ادا کریں گے اور محتاجوں میں تقسیم کی جائے گی اور اگر وہ اس پر رضامند ہو جائیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کر لینا' لیکن لوگوں کی بہترین جائیدادوں سے درگزر کرنا۔

ایک مسلمان کو اول تو خوش خلق' مہربان اور متواضع ہونا چاہیے کہ یہ اوصاف خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔ اگر ہم لوگوں کے سامنے بڑی منطقی بحثیں کرتے رہیں تو شاید وہ ہم سے متفق بھی ہو جائیں گے لیکن وہ ہم سے رخصت ہوتے ہی سب باتیں فراموش کر دیں گے' کیونکہ انھوں نے ہمیں عملی طور پر کچھ کرتے نہیں دیکھا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجسم قرآن تھے۔" یہی بنیادی بات ہے۔ قرآن کو صرف پڑھ لینا کافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام انسان کی تکمیل کے لئے صادر فرمائے گئے اور قرآن ان احکام ہی کا مجموعہ ہے۔ آپ اسے صرف زبانی تبلیغ وبیان کے لئے استعمال نہیں کر سکتے' بلکہ اس پر عملدر آمد بہت ضروری ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ باتیں کم کریں اور عمل زیادہ۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہی کسی شخص کو قبول اسلام کی توفیق ملتی ہے۔

سوال: اس ملک میں ذرائع ابلاغ سے اسلام کے خلاف زبردست پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل ہی نہیں کر سکتے یا صحیح صورت حال سے واقف نہیں ہو پاتے۔ آپ کے خیال میں ہم ان تک اپنی بات کیسے پہنچا سکتے ہیں یا انھیں کم از کم اتنا بتانے کی کوشش کیسے کر سکتے ہیں کہ صحیح اسلام ہے کیا؟

جواب: میں یہ بات آپ پر واضح کرنا چاہوں گا کہ لوگ اپنی مرضی کے آپ مالک ہوتے ہیں اور اپنی راہ کا آپ تعین کرتے ہیں' وہ سب اس قدر احمق نہیں کہ جو کچھ اخبار میں پڑھیں یا خبروں میں سنیں تو اس پر یقین کر بیٹھیں۔ تاہم جب وہ خود مسلمانوں کے اعمال وافعال میں کچھ خرابیاں دیکھتے ہیں تو پھر اس بات کا احتمال بڑھ جاتا ہے کہ وہ جو کچھ پڑھتے ہیں اس پر اعتبار کر لیں۔ آپ جانتے ہیں کہ دعوت ذاتی طور پر بھی دی جانی چاہیے۔ تبلیغ اسلام کا کام بہترین طور پر رفاقت اور دوستی کے ذریعے سے سرانجام پا سکتا ہے۔ آج کی خبر

کل پرانی ہو جاتی ہے۔ لوگوں میں اس طرح سے اشتعال تو پیدا کیا جا سکتا ہے' لیکن اس کا دیرپا اثر نہیں ہوتا۔ ان کو حقیقی معنوں میں متاثر کرنے والے درحقیقت وہ لوگ ہوتے ہیں جن سے وہ گھلتے ملتے ہیں' اس لئے اگر آپ ایک مسلمان ہیں اور آپ کے قرابت داروں میں سے کوئی شخص اسلامی ضابطوں کا پابند نہیں ہے تو بلاشبہ آپ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ کسی غیر شخص کے پاس جانے سے پہلے اپنے اس قرابت دار کی خبر لیں۔ سب سے پہلے اپنے کنبے کی حفاظت کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ صرف مسلمان کہلوانے سے ہم سزا سے نہیں بچ سکتے۔ ہم میں سے بہت سارے تو ابھی اسلام کے اصل پیغام سے ہی نا آشنا ہیں۔"

یوسف اسلام کا یہ انٹرویو پڑھ کر میں بہت متاثر ہوا اور ان کے بارے میں مزید جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ صاحب لندن ہی میں رہتے ہیں اور انہوں نے تبلیغ دین کے لئے اپنا ایک حلقہ قائم کر رکھا ہے۔ تھوڑے ہی دنوں بعد یہ مژدہ جانفزا سننے میں آیا کہ یہ صاحب ۲۸ مئی ۱۹۸۲ء کو سکول آف اورینٹل اینڈ افریقن سٹڈیز کے اسمبلی ہال میں جمعہ کی نماز کے بعد خطاب فرمائیں گے۔

میں اپنے کورس کے سلسلے میں لندن یونیورسٹی کے انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن میں آیا کرتا تھا۔ مذکورہ سکول وہاں سے قریب ہی تھا اور جمعہ کی نماز میں اکثر وہیں ادا کرتا تھا۔ سکول کے ایک کمرے میں جائے نمازیں اور چادریں بچھا دی جاتی تھیں اور یونیورسٹی کے مسلمان اساتذہ اور طلبہ وہاں نماز ادا کرتے تھے۔ باقاعدہ خطبہ ہوتا۔ نمازیوں کی تعداد تیس پینتیس کے قریب ہوا کرتی تھی۔ جمعہ کی نماز کا وقت ہمارے انسٹیٹیوٹ میں دوپہر کے کھانے کے وقفے میں پڑتا تھا' کلاس دوبارہ شروع ہونے تک میں جمعہ سے فارغ ہو کر واپس پہنچ جاتا۔

اس اطلاع سے مجھے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ چنانچہ میں اور میرے ایک ساتھی پروگرام کے مطابق وہاں پہنچ گئے۔ اس روز اسمبلی ہال کے ایک حصے میں اسلامی کتابوں کی نمائش بھی ہو رہی تھی۔ ایک نظر ان کتابوں پر بھی ڈالی لیکن نگاہیں یوسف اسلام کی جستجو میں تھیں۔

نماز سے پہلے ایک صاحب نے خالص عربی لہجے میں اذان دی جو بڑی مسحور کن تھی۔ یہ صاحب لمبا سفید کرتہ پہنے تھے۔ سر پر چھوٹی سی پگڑی' خوبصورت داڑھی' متناسب

مونچھیں' سرخ وسفید رنگت' نوجوانی کا عالم' چہرے پر اطمینان اور آنکھوں میں کشش۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ یہی یوسف اسلام ہیں۔

نماز سے فارغ ہوتے ہی جائے نماز' چادریں وغیرہ سمیٹ دی گئیں۔ ہال کی کرسیاں اور بنچیں ترتیب سے لگا دی گئیں۔ تقریب کا آغاز ہوا' یوسف اسلام کی تقریر شروع ہوئی۔ میں بڑے اشتیاق اور انہماک سے تقریر سن رہا تھا۔ نظریں مقرر کے چہرے پر جمی تھیں۔ رات کو وہ ساری تقریر یاد کرکے اردو میں قلم بند کی' آپ مطالعہ فرمایئے:

"میں بچپن ہی سے ایک فنکار بننے کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک گلوکار بننے کے لئے میں نے بڑی مشقت کی' پھر مجھے ایک رقاص بننے کی سوجھی۔ ان مشاغل کے ساتھ ساتھ میری روحانی جستجو کا سفر شروع ہو چکا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اپنی عمر کے انیسویں برس' جب کہ میں اپنی شہرت کی بلندیوں پر تھا مجھے ایک ذہنی کرب کا احساس ہوا۔ میں مادی چیزوں میں کھو چکا تھا' لیکن کبھی کبھی وہ سب کچھ مجھے بے اصل اور ہیچ معلوم ہونے لگتا تھا۔ ایک بار تو سکون کی تلاش میں' میں نے بدھ مت کا پیروکار بننے کی ٹھان لی لیکن اس کے مطالعے سے پتہ چلا کہ ایک بھکشو کی زندگی ایک عام شخص کی زندگی سے یکسر مختلف ہے۔ پھر وہ زندگی بھی کیا ہوئی کہ آپ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اور سب سے قطع تعلق کرکے جنگل بیابان کی راہ لیں اور زندگی کی کوئی سرگرمی باقی نہ رہے۔

کبھی مجھے یوگا نے بڑا متاثر کیا۔ اس کی مختلف مشقیں مجھے پسند آئیں اور کبھی کبھی مجھے قدرے اطمینان کا احساس بھی ہوا۔ لیکن جلد ہی ظاہر ہو گیا کہ یوگا یا اس قسم کے اور سب طریقے زندگی کی حقیقت نہیں ہیں۔ ان میں سے کسی کو آپ زندگی کا لائحہ عمل قرار نہیں دے سکتے۔ ان کے اصول و قاعدے بظاہر کتنے ہی بھلے کیوں نہ لگتے ہوں' زندگی کی ساری وسعتوں اور عملی ضرورتوں پر محیط نہیں ہیں۔ آپ اپنے سارے سوالوں کا جواب ان سے طلب نہیں کر سکتے۔ مختلف طریقوں اور مذہبوں میں بعض بعض باتیں بہت ہی عمدہ اور دلکش دکھائی دیتی ہیں' لیکن ان سے زندگی کی مکمل رہنمائی میسر نہیں آتی اور حقیقت کا انکشاف نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ سوچ سوچ کر میرے گرد مایوسی اور اداسی کا ایک پردہ چھا گیا۔ میری عمر اب ۲۵ برس کے لگ بھگ ہو گئی اور کام حسب معمول ہو رہا تھا۔ ان دنوں میں ہی میرے بڑے بھائی ڈیوڈ کو یروشلم جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ ایک ایسا سفر تھا' جس کا ایک مقصد مقدس

مقامات کی زیارت بھی تھا۔ شاید وہ وہاں جا کر دیکھنا چاہتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کہاں پیدا ہوئے' انہوں نے اپنی زندگی کے دن کہاں کہاں گزارے اور کس کس مقام پر تبلیغ دین کا فریضہ انجام دیا؟ شاید وہ اطمینان قلب کی خاطر وہاں گئے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ انہیں وہاں کچھ نہیں ملا۔

ایک روز وہ گھومتے پھرتے مسجد اقصیٰ میں جا نکلے۔ وہ اس کے جمال اور وقار سے قدرے متاثر ہوئے اور وہاں ایک خاص طرح کا روحانی سکون محسوس کیا۔ یہودی اور مسیحی عبادت گاہوں کے برعکس یہاں ان کو ایک مختلف تجربہ ہوا۔ کشادگی اور مسجد میں نمازیوں کی سجدہ ریزی کا سکون بخش منظر انہیں کہیں دکھائی نہ دیا تھا۔ وہ اس سے پہلے کبھی کسی مسجد کے اندر نہیں گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ یہاں کوئی راز نہیں' ہر شئے عیاں اور کھلی ہے۔ بہرحال انہوں نے انگلستان پہنچتے ہی قرآن شریف کا ایک ترجمہ خرید لیا۔ انہوں نے شاید اس کا تھوڑا بہت مطالعہ بھی کیا۔ اگرچہ ہم بھائیوں کے درمیان تحفوں کا تبادلہ شاید ہی ہوا ہو' لیکن انہوں نے یہ انگریزی ترجمہ بطور تحفہ مجھے عنایت کیا' شاید یہ سوچ کر کہ مجھ پریشان خاطر کو ہدایت کی زیادہ ضرورت تھی۔

الحمدللہ! میں نے قرآن شریف کا مطالعہ شروع کیا۔ جوں جوں آگے بڑھتا گیا مایوسی اور ا[illegible]ن کا پردہ چاک ہوتا چلا گیا' رفتہ رفتہ زندگی کا ایک واضح مفہوم میری سمجھ میں آنے لگا۔ زندگی کی روشنی مجھ پر طلوع ہونے لگی اور حقیقت کے انکشاف کا آغاز ہو گیا۔ میں آہستہ آہستہ گردوپیش' اپنے ماحول اور اپنے دوستوں سے بیزار ہونے لگا اور ان سے کنارہ کشی اختیار کرتا گیا' اس سلسلے میں مجھے بڑی دشواری کا سامنا ہوا۔

قرآن شریف کے مطالعے سے مجھ پر یہ حقیقت کھل گئی کہ میں جو مکمل نظام حیات تلاش کر رہا تھا اور جس حقیقت کے حصول کے لئے بھٹکتا پھر رہا تھا' وہ اسلام کی راہ پر چلنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ شک کے سب کانٹے نکل چکے تھے اور ایمان کے تازہ پھول کھلنے لگے تھے۔ میں کوئی ڈیڑھ سال تک قرآن شریف کو بار بار پڑھتا رہا اور سوچتا رہا کہ شاید میں اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں اور یہ میرے لئے تخلیق ہوا ہے۔ میں اب تک کسی مسلمان سے نہیں ملا' لیکن مجھے احساس ہونے لگا کہ مجھے جلد ہی یا تو مکمل طور پر ایمان لے آنا ہو گا یا موسیقی کے دھندے ہی میں پھنسے رہنا ہو گا۔ یہ وقت میرے لئے بڑا کٹھن تھا۔

ایک روز کسی نے لندن کی ایک نئی مسجد کا تذکرہ کیا۔ قبولِ دین کا لمحہ آ پہنچا تھا۔ ۱۹۷۷ء کا موسم سرما تھا کہ ایک جمعہ کے روز میرے قدم مسجد کی طرف اٹھنے لگے۔ جمعہ کی نماز کے بعد میں نے اسلام کو قبول کرنے کا اعلان کیا اور اس طرح مسلمانوں سے میرا پہلا رابطہ قائم ہوا۔

مجھے قرآن شریف میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی نظر آئے جن کی اپنی ایک شخصیت تھی اور جن کا اپنا ایک پیغام تھا۔ بلاشبہ وہ اللہ کے نیک بندے اور رسول تھے۔ ان کا صرف ایک ہی تصور ابھرتا ہے اور وہ ایک انسانی تصور ہے۔ دنیا کے مختلف گرجا گھروں میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بنی ہوئی تصویریں اور مورتیاں ایک دوسرے سے مختلف ہیں' وہ مختلف شخصیتوں کو نمایاں کرتی ہیں۔ لیکن وہ الٰہ نہ تھے' نہ اس کے بیٹے۔ قرآن شریف میں ان کی صحیح شخصیت کا تصور واضح ہوتا ہے۔

مجھے اس میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی نظر آئے' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے بیٹے کی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ وہ آزمائش میں پورے اترے اور اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لئے ایک مینڈھا بھیج دیا۔ تب سے انسانی قربانی کا تصور ختم ہوا اور جانور کی قربانی کی روایت قائم ہوئی۔

بہرحال سب پیغمبر اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں لہٰذا قابل احترام ہیں اور سب کے بعد تشریف لانے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' جن کا پیغام رہتی دنیا تک کے لئے ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ان کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن رہیں اور دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کریں۔

الحمدللہ! میں ایک مسلمان کی حیثیت سے بہت خوش ہوں۔ میری بیوی بہت اچھی مسلمان ہے۔ ہم اپنے بچوں کو بھی اچھا مسلمان دیکھنا چاہتے ہیں اور اسلام کی خدمت میں زندگی گزار دینا چاہتے ہیں۔" (ترجمہ: بشیر محمود اختر)

۵

"میری ان سے ملاقات بس اچانک ہی ہو گئی۔ میں ان سے غائبانہ طور پر تو واقف تھا'

ان کی سرگرمیوں کا بھی مجھے علم تھا' لیکن ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔ اس کی صورت یوں پیدا ہوئی کہ ہمارے ایک مشترک دوست نے ہم دونوں کے حج کا انتظام ایک ہی گروپ میں کر دیا۔ پروگرام کے مطابق ہمیں حج سے پہلے مدینہ منورہ میں قیام کرنا تھا۔ وہاں میں انھیں اور وہ مجھے تلاش کرتے رہے کہ اچانک ملاقات ہو گئی۔ مسجد نبوی شریف کے صحن میں جماعت کھڑی ہو رہی تھی کہ ایک جوان شخص پر نظر پڑی جس کے سر پر عمامہ بندھا ہوا تھا' آنکھوں پر چشمہ لگا تھا' چہرے پر خوبصورت داڑھی تھی۔ وہ نمازیوں کے درمیان سے ابھرا اور صف سیدھی کرنے لگا۔ اس نے کندھوں سے کندھے اور قدموں سے قدم ملائے۔ نماز ختم ہونے پر میں نے اس کو تسبیح و تہلیل میں مستغرق پایا۔ بعد ازاں اس نے کھڑے ہو کر سنتیں پڑھنی شروع کیں۔ اس کے رکوع و سجود خشوع و خضوع کے آئینہ دار تھے۔ نماز ختم کرکے وہ بڑے اطمینان سے باہر کی جانب چلا۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ میں نے اس کے چہرے پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے پوچھا کہ کیا آپ یوسف اسلام ہیں؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ کیا آپ فہمی ہویدی ہیں؟ اس ملاقات کے بعد پھر ہم جدا نہ ہوئے۔ بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس میں ایک مومن صادق کا مکمل نمونہ پایا۔ ایک شخص جس کے سینے کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا تھا اور اس نے اپنے ظاہر و باطن کو اسلام میں اس طرح رنگ لیا تھا کہ تو من شدی' من تو شدم۔ اس کی اس کایا پلٹ پر ان کو جاننے والے سب ہی لوگ حیران اور ششدر تھے۔ وہ جدی پشتی مسلمان اس نو مسلم کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتے تھے جو ہمیشہ رخصتوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور ہر حیلے بہانے سے فرائض اور واجبات سے بھی جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ نو مسلم فرائض اور واجبات ہی نہیں' سنت و نوافل بھی بڑے اہتمام' شوق اور دلچسپی سے ادا کرتا ہے' چاہے اس سلسلے میں اسے مشقت اٹھانی پڑے۔ اس کے چہرے پر نظر آنے والی سکینت دوسروں کے لئے ایک خاموش درس ثابت ہوتی تھی۔

مجھے معلوم نہ تھا کہ اس کا اصلی نام اسٹیونز دمتری جورجیو تھا۔ اس کا باپ اسکندریہ میں آباد یونانیوں سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ شخص کئی سال اسکندریہ میں رہا۔ اس نے یہاں ایک ریسٹورنٹ کھولا۔ عربی زبان کی شدبد حاصل کی۔ بعد ازاں وہ بہتر مستقبل کی تلاش میں امریکہ چلا گیا۔ جب وہاں بھی اسے کامیابی کے آثار نظر نہ آئے تو وہ لندن چلا آیا۔ جہاں

اس نے ایک مرتبہ پھر ریسٹورنٹ چلانے کا تجربہ کیا۔ یہاں اس کی ملاقات ایک سویڈش خاتون سے ہوئی' جس سے اس نے شادی کرلی۔ اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے' جن میں سے چھوٹا اسٹیونز تھا۔ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہوئے اس نے مجھے اپنے قبول اسلام کا قصہ سنایا۔ اس نے بتایا کہ جب وہ بحیثیت ایک پاپ موسیقار کامیابیوں کی منازل طے کررہا تھا تو اسے سل (Consumption) کا مرض لاحق ہوگیا' جس کے نتیجے میں اسے چند ہفتے ہسپتال میں رہنا پڑا۔ ہسپتال میں قیام کے دوران میں وہ مسلسل زندگی' موت اور آخرت کے بارے میں سوچتا رہا۔ اس کی بیماری کی کیفیت ایسی تھی کہ وہ زندگی سے زیادہ موت کے قریب تھا۔ اس کے ذہن پر موت کا تصور غالب تھا۔ اس کے ذہن میں رہ رہ کر جو سوالات ابھر رہے تھے ان کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا:

زندگی کیا ہے؟

زندگی کا خاتمہ کیوں کر ہوتا ہے؟

موت کیا ہے؟

موت کیوں کر آتی ہے؟

موت کے بعد کیا ہوگا؟

کیا موت بس فنا کا نام ہے یا اس کے بعد بھی کوئی زندگی ہے؟

یہ مرحلہ جب گزر گیا اور وہ شفایاب ہو کر ہسپتال سے نکلا تب بھی ان سوالات نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ وہ زندگی کی گتھی سلجھانے میں لگا رہا۔ اسے احساس تھا کہ وہ جس گتھی کو سلجھا رہا تھا' اس کا سرا ہی اس کے ہاتھ میں نہ تھا۔ زندگی کی حقیقت اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اس نے گیت لکھے اور گائے' ان میں اس کی اسی آشفتہ سری کی بازگشت تھی۔ اس زمانے میں اس کا ایک گیت بہت مشہور ہوا تھا جو باپ اور بیٹے کے درمیان مکالمے پر مشتمل تھا۔ یہ گویا دو نسلوں کے درمیان ایک مکالمہ تھا۔ یہ اس کا دوسرا کامیاب گیت تھا: طلوع فجر۔ ایک اور گیت تھا: دن کا ظہور۔

۱۹۷۵ء میں اس کا بڑا بھائی ڈیوڈ جو ڈریس ڈیزائنر تھا' بیت المقدس کی زیارت کے لئے گیا۔ اس نے وہاں سے واپس آکر اسے (اپنی دانست میں) ایک نئے مذہب اسلام کی بابت بتایا جس کے بارے میں اس نے اس سے پہلے کبھی کچھ نہیں سنا تھا۔ اس زمانے میں

برطانیہ میں ہندو فلسفیوں اور مہارشیوں کا بڑا غلغلہ تھا۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ چیزیں اسے کبھی بھی مطمئن نہ کر سکیں اور نہ اسے ان واہیات فلسفوں میں اپنے سوالات کا کوئی جواب مل سکا۔ اسلام کے بارے میں اس نے اپنے بھائی ڈیوڈ کی باتیں بڑے شوق اور دلچسپی سے سنیں۔ اسی سال برطانیہ میں عالم اسلام کا میلہ لگا۔ اس میلے میں علاوہ اور ہزاروں چیزوں کے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ بھی پیش کیا گیا۔ ڈیوڈ نے انگریزی ترجمہ قرآن کی ایک جلد اسٹیونز کے لئے خرید لی۔ وہ حقیقت گم گشتہ جس کو وہ ایک مدت سے تلاش کر رہا تھا' اسے مل گئی۔ اس نے بتایا کہ شام کو میں اپنا موسیقی کا پروگرام ختم کر کے ہوٹل میں اپنے کمرے میں واپس آتا تھا اور پھر گھنٹوں خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ قرآن مجید کے مطالعے میں غرق رہتا۔ قرآن میرے نہاں خانہ قلب میں اترتا جا رہا تھا اور مجھے اپنے سوالات کا جواب ملتا جا رہا تھا۔ قرآن کا مطالعہ کرتے کرتے میں سورہ یوسف پر پہنچ گیا۔ سورہ یوسف کا جب میں نے مطالعہ کیا تو اپنے آپ پر قابو نہ پا سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ قرآن کے صفحات میرے آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ میں نے گویا اپنے آپ کو قصہ یوسف میں پایا' جن کا دل اللہ تعالیٰ نے ایمان کے لئے کھول دیا تھا اور منور کر دیا تھا۔ جو لوگ ان کے ارد گرد تھے' جو ان کے خلاف تھے' جنہوں نے ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کی —— وہ سب ان کی قدر و قیمت اور حقیقت سے بے خبر تھے۔ مجھے ان کی شخصیت میں بے پناہ کشش محسوس ہوئی۔ انہوں نے مجھے بے حد انسپائر کیا۔ میں نے اسلام کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا کہ میں اپنا مسلم نام یوسف رکھوں گا۔

اسٹیونز نے رازداری کے ساتھ اسلام کو قبول کر لیا۔ اس کو وہ اللہ مل گیا تھا' جس کی تلاش میں وہ مدتوں سے سرگرداں تھا۔ ۱۹۷۷ء میں اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ باقاعدہ طور پر اسلام میں داخل ہو گا اور اپنے اسلام کا اعلان کرے گا۔ وہ لندن کی ریجنٹ پارک والی مسجد میں چلا گیا۔ اس نے وہاں امام مسجد کے روبرو کلمہ طیبہ پڑھا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ اس کی فیملی کو جب اس کے قبول اسلام کا پتا چلا تو بہت صدمہ ہوا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس کا بھائی ڈیوڈ جو اس کے لئے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ خرید کر لایا تھا' وہی سب سے زیادہ اس پر غضبناک تھا۔ مذہب اور اس کی تبدیلی ان کے نزدیک کسی اہمیت کی حامل نہ تھی جیسا کہ مغربی معاشرے میں مذہب کسی کے لئے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اصل چیز

شناخت تھی جس کا تعلق اس کے مذہب سے تھا۔ ورنہ ایمان اور اعتقاد کا جہاں تک تعلق تھا
تو کرچینٹی میں نہ ایمان کوئی چیز ہے اور نہ اعتقاد۔ فیملی کو دکھ اس بات کا تھا کہ ان کا ایک
ہونہار بیٹا جو آسمان موسیقی کا ایک درخشندہ ستارہ تھا اور جس کی درخشانی میں ابھی پتہ نہیں
کتنا اور اضافہ ہونا تھا' جس کے ساتھ کتنی امیدیں وابستہ تھیں' وہ اپنی شناخت کھو بیٹھا تھا۔
اب جو شناخت اس نے اختیار کی تھی وہ تو ایک لائبلٹی تھی' کوئی اثاثہ نہیں۔ مگر اسٹیونز
طوفان کے سامنے ڈٹا رہا۔ مسلمان ہونے کے ناطے اسے والدین کے حقوق کا علم تھا۔ چنانچہ
اس نے دل وجان سے ماں کی خدمت کرنی شروع کی۔ ماں اس کے رویے میں اس تبدیلی
پر حیرت زدہ بھی تھی اور خوش بھی۔ اس طرح نہ صرف ماں کی طرف سے مخالفت ختم ہو گئی
بلکہ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ وہ خود بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئی۔ رفتہ رفتہ اس کے بھائی
ڈیوڈ کا دل بھی نرم پڑ گیا اور وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ اس کا باپ بیمار تھا۔ اس نے باپ کی
تیمارداری میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ تیمارداری کے ساتھ ساتھ وہ تبلیغ اسلام بھی کرتا رہا۔
آخر ایک دن اس کے باپ نے بھی کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ کلمہ طیبہ پڑھنے
کے دو ہی دن بعد اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ قبول اسلام کے بعد اسے نیویارک میں
یونیسف کی ایک تقریب میں مدعو کیا گیا' جو چلڈرن ایڈ پروگرام کے سلسلے میں منعقد کی گئی
تھی۔ یونیسف نے اس کو اپنا سفیر بنایا تھا۔ ۱۹۷۹ء میں منعقد ہونے والے اس پروگرام میں
دنیا کے تمام بڑے بڑے فنکاروں نے حصہ لیا تھا اور اس سے ہونے والی آمدنی یونیسف کو
بچوں کی بہبود کے لئے دے دی گئی تھی۔ اس پروگرام میں جب اس کی باری آئی تو اس کو
اس کے مطالبے کے مطابق اس کے مسلم نام سے ہی بلایا گیا۔ بہرحال یہ پروگرام بہت
کامیاب رہا مگر جب بعد میں اس پروگرام کی رپورٹ ٹی۔ وی پر پیش کی گئی تو اس میں سے
یوسف اسلام کا سارا پروگرام حذف کر دیا گیا۔ اس وقت اسے احساس ہوا کہ اسے اپنے
قبول اسلام کی قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ وہ اپنی زندگی کی نہج بدلنے کے لئے بالکل تیار تھا۔
کیونکہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہتا تھا جو دین اسلام کے خلاف ہو۔ جب اسے ایک امریکی
مسلمان نے بتایا کہ اسلام میں موسیقی حرام ہے تو اس نے گانا ترک کر دیا اور اپنے تمام
آلات موسیقی ۲۵ ہزار پاؤنڈ اسٹرلنگ میں نیلام کر دیئے اور یہ رقم برطانیہ کے خیراتی
اداروں کو دے دی۔ پھر اس نے مصر اور سعودی عرب کے سفر کا فیصلہ کیا —— مصر جہاں

جامعہ ازہر ہے اور سعودی عرب جہاں بیت اللہ شریف ہے۔ وہ قاہرہ پہنچا تو جامعہ ازہر کے قریب "حی الحسین" میں ٹھہرا۔ ایک مسلم ملک میں اور وہ بھی مصر جہاں جامع ازہر واقع ہے' اسے پہلا ذہنی جھٹکا اس وقت لگا جب اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ اذان سنتے ہی سب لوگ اپنے سب کام کاج چھوڑ کر اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے مسجد کی طرف چل پڑیں گے' مگر عملاً ایسا نہیں ہوا۔ اذان سن کر بہت کم لوگ مسجد کی طرف گئے۔ اسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہیں آیا اور اس نے اسے اپنی ناواقفیت پر محمول کیا۔ مگر جب وہ سعودی عرب گیا اور اس نے اذان ہوتے ہی لوگوں کو بلا استثناء مسجدوں کی طرف جاتے دیکھا تو مصر اور سعودی عرب کا فرق اس کی سمجھ میں آگیا۔ بعد ازاں جب اس نے افغانستان سے لے کر بوسنیا تک کے مصیبت زدہ مسلمانوں کے لئے "مسلم ایڈ" کے نام سے ایک خیراتی ادارہ قائم کیا تو ایک برطانوی اخبار نے اس کے خلاف ایک رپورٹ شائع کردی کہ وہ مجاہدین کو اسلحہ کی فراہمی کے لئے چندہ اکٹھا کر رہا ہے۔ اس نے اخبار کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور جیت گیا۔ اس کے بعد ایک فرانسیسی اخبار نے اس قسم کا الزام لگایا۔ اس نے اس کے خلاف بھی مقدمہ دائر کیا اور جیت لیا۔ اس کا یہ خیراتی ادارہ کامیابی سے چل رہا ہے۔ بوسنیا کے مسلمانوں کے لئے وہ بہت قابل قدر کام کرچکا ہے۔ اس کی بیٹی حسنہ جب اسکول جانے کی عمر کو پہنچی تو سوال پیدا ہوا کہ وہ اسے کہاں تعلیم دلائے؟ اس نے مسلمانوں کے بچوں اور بچیوں کے لئے ایک اسکول بنانے کی ٹھان لی۔ ہوتے ہوتے ایک کی جگہ تین سکول بن گئے: ایک پرائمری جس میں ۱۸۰ بچے و بچیاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں' دوسرا گرلز پریپریٹری اسکول جس میں ۱۲۰ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں' تیسرا بوائز پریپریٹری اسکول جس میں ۲۵ لڑکے تعلیم پا رہے ہیں۔ اب وہ برطانیہ میں ۵۸ اسلامک اسکولوں کا سرپرست اور نگران ہے۔ اس نے ۱۹۸۵ء میں حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ ان اسلامی اسکولوں کو بھی کیتھولک اور یہودی اسکولوں کی طرح سرکاری گرانٹ دی جائے۔ حکومت برطانیہ کے ساتھ اس کا یہ معرکہ پانچ برس چلتا رہا اور بالآخر وہ یہ معرکہ ہار گیا۔ ۱۹۹۰ء میں حکومت برطانیہ نے اس کا مطالبہ رد کر دیا۔ یوسف اسلام نے کینیا سے نقل مکانی کرکے برطانیہ آنے والی ایک مسلمان ایشیائی فیملی سے شادی کرلی۔ فی الحال وہ ایک بیٹے اور چار بیٹیوں کا باپ ہے۔

فن سے اس کا ناطہ بالکل نہیں ٹوٹا۔ چند سال قبل اس نے افغانستان کے بارے میں

ایک حزنیہ گیت لکھا تھا۔ اس کی نعتیہ شاعری پر مشتمل ایک کیسٹ موجود ہے۔ ایک گیت بوسنیا کے بارے میں بھی وہ لکھ چکا ہے۔ میں نے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی۔ میں نے اس پر زور دیا کہ وہ بیت المقدس کے بارے میں گیت لکھے اور گائے بھی۔ اس نے نہ صرف حامی بھرلی ہے بلکہ "تسجیلات الامہ" کے نام سے ایک اسٹوڈیو قائم کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ وہ بچوں کے لئے خاص طور پر گیت لکھنا اور گانا چاہتا ہے۔ یوسف اسلام اپنے ساتھ حج اور عمرے کے بارے میں ایک مفصل کتاب انگریزی میں ترجمہ شدہ لے کر آئے تھے' جس میں تمام مذاہب' اہل سنت کے موقف و مسلک کے ساتھ واجب اور مستحب اور مکروہ اور ان میں فقہی اختلافات کی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کتاب نے یوسف اسلام کو سخت الجھن میں ڈال دیا۔ وہ اس کتاب کو برطانیہ اور امریکہ میں اسلامی موضوعات پر ملنے والی کتابوں کا ایک نمونہ سمجھتے ہیں' جو ایک عام مغربی قاری کو سوائے الجھن میں ڈالنے کے اور کوئی کام انجام نہیں دیتیں۔

میں نے پوچھا کہ کیا وہ اسلامی کتابوں کی اشاعت کے میدان میں بھی اترنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ اس کے اہل نہیں۔ جدا ہوتے وقت انہوں نے مجھ سے دعاؤں میں یاد رکھنے کی درخواست کی۔ (تحریر: فہمی حویدی)

٦

یوسف اسلام جنہیں لاکھوں لوگ کیٹ سٹیونز کے نام سے جانتے ہیں' ۱۹۴۸ء میں لندن میں پیدا ہوئے۔ ان کے یونانی خاندان نے انہیں اپنی ثقافتی موسیقی کی طرف راغب کیا۔ بعد ازاں انہوں نے فن موسیقی میں شہرت کی بلند منازل طے کیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ یورپ اور امریکہ میں ان کے گائے ہوئے کیسٹوں کی مانگ سب سے زیادہ تھی۔ ۱۹۶۸ء میں وہ سانس کی شدید بیماری میں مبتلا ہوگئے اور انہیں کئی ماہ ہسپتال میں گزارنے پڑے۔ صحت یابی کے بعد بھی انہوں نے کئی مقبول گانے لکھے اور گائے۔ ان کا اسلام کے ساتھ تعارف ۱۹۷۵ء میں ہوا۔ آج کل وہ اسلامی مرکز (برطانیہ) کے ڈائریکٹر ہیں اور اس ادارے کے ذریعے سے برطانیہ میں دعوت و تبلیغ کا کام انجام دے رہے ہیں۔

ذیل میں ان کا ایک انٹرویو دیا جا رہا ہے جو ان سے بی۔ بی۔ سی ٹیلی ویژن کے نمائندے ایرک راہنسن نے لیا:

سوال: کیا یہ درست ہے کہ موسیقار کی زندگی ایک عذاب سے کم نہیں ہے؟

جواب: میرے خیال میں موسیقی کے کاروبار کا جہنم سے بہت تعلق ہے۔

سوال: آپ کے خاندان میں چند آرتھوڈکس مذہب کے پیروکار بھی تھے۔ آپ نے کس مذہب کو اپنایا؟

جواب: میں نے ابتدائی تربیت بحیثیت ایک عیسائی کے حاصل کی۔ بڑا ہوا تو اردگرد کے ماحول میں دوغلا پن اور تضاد محسوس کیا۔ اس وجہ سے میں اس دنیاوی زندگی کی طرف مائل ہو گیا جس میں میری پرورش ہوئی تھی۔ بعد ازاں میں نے موسیقی کی تربیت حاصل کرنا شروع کر دی۔ ابھی میرے چند نغمے ہی مقبول ہوئے تھے کہ مجھے تپ دق کا مرض لاحق ہو گیا۔ ۱۹۶۹ء میں میں نے "مراقبے" کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا جس کے بعد میرا اعتقاد عیسائیت سے اٹھ گیا اور میں نے محسوس کیا کہ عیسائیت اس نظام کا حصہ ہے جسے میں چھوڑنا چاہتا ہوں۔ اس وقت میں اللہ پر یقین رکھتا تھا لیکن کسی خاص مذہب یا نظریہ کے مطابق نہیں۔

سوال: "عیسائیت اس نظام کا حصہ ہے جسے آپ چھوڑنا چاہتے ہیں" سے کیا مراد ہے؟

جواب: میرے خیال میں عیسائیت میں ایک قسم کی عدم مساوات ہے اور میں جس روحانیت اور فطرت کا متلاشی تھا وہ مجھے چرچ میں نہ ملی۔

سوال: جب آپ تپ دق کے مرض میں مبتلا ہوئے تو آپ نے یہ نہیں سوچا کہ یہ مرض اللہ کی طرف سے تنبیہہ بھی ہو سکتی ہے؟

جواب: میرے خیال میں قدرت کا اپنا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ اس وقت میرے ذہن میں ایک سوال یہ تھا کہ قدرت کیا ہے اور اس کے مجھ سے کیا مطالبات ہیں؟ اس وقت مجھے اللہ پر یقین تھا لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ کے ساتھ تعلق کس طرح پیدا کیا جا سکتا ہے؟

سوال: اس جدوجہد کے عرصے میں آپ نے کئی چیزیں آزمائی بھی ہوں گی؟

جواب: میں نے مراقبہ آزمایا، علم نجوم میں دلچسپی لی۔ میں دوسرے لوگوں کی طرح محبت اور امن پر یقین رکھتا تھا لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کو حاصل کرنے کا عملی راستہ کیا

ہے؟ ان تمام مراحل میں سے گزرنے کے بعد بھی میں یہ نہ جان سکا کہ ایسا کوئی خاص مذہب ہے جس کے پاس میرے سوالات کے حتمی جواب موجود ہوں۔ ایک وقت تو میں نے اپنا مذہب بنانے کے بارے میں بھی سوچا۔

سوال: پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ کے لئے بہترین راستہ اسلام میں ہے؟

جواب: اس وقت میں ستائیس برس کا تھا اور مسلسل کوشش میں معروف تھا کہ اس سکون کو حاصل کروں' جس کا میں متلاشی تھا۔ اسی دوران میں میرے بڑے بھائی ڈیوڈ نے مجھے قرآن کا ایک نسخہ بطور تحفہ دیا۔ جب میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ دوسری کتابوں کی طرح نہیں ہے اور اس کے بے ساختہ الفاظ اور انداز سے میں نے محسوس کیا کہ یہ کتاب کسی انسان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔

سوال: کیا قرآن میں کوئی ایسا جملہ تھا جس نے آپ کی مشکلات کا حل آپ کے سامنے رکھ دیا؟

جواب: آپ اگر قرآن پر ایک نظر ڈالیں تو آپ کو بتدریج یہ محسوس ہو گا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تضاد موجود نہیں ہے جبکہ باقی کتابوں میں کسی نہ کسی قسم کی غلطی ضرور ہوتی ہے مگر اس کتاب میں ایک مسلسل اقرار ہے کہ "اللہ (یعنی الٰہ) صرف ایک ہے۔" اس طرح مجھے وہ پیغام مل گیا جس کی تلاش مجھے تھی اور میں نے محسوس کیا کہ اس میں وہ سب کچھ موجود ہے جسے ہر کسی کو تسلیم کرنا چاہیے۔ ہر شخص کسی نہ کسی ہستی کو برتر تسلیم کرتا ہے جسے بہت سے نام دیئے گئے لیکن حتمی بات صرف یہی ہے کہ اللہ (یعنی الٰہ) صرف ایک ہے۔

قرآن نے میری زندگی بدل کر رکھ دی اور قدرتی طور پر میرے ذہن میں یہ بات سما گئی کہ تمام انسان آپس میں مساوی ہیں کیونکہ انہیں ایک اللہ نے پیدا کیا۔ تمام انسان اس آقا کے غلام ہیں۔ اس طرح آپ کو ایک قسم کی مقصدیت کا احساس ہوتا ہے۔ قرآن کے اس پہلو نے مجھے بڑا متاثر کیا ہے۔ مثال کے طور پر میں قرآن کی ایک چھوٹی سورہ اخلاص کو پڑھتا ہوں جسے (قرآن کا ایک تہائی کہا گیا ہے) اس سورہ میں وحدانیت کا سبق دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

"شروع اللہ کے نام سے کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ کہو وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔ کوئی اس کے برابر نہیں۔"

سوال: کیا آپ نے محسوس کیا کہ اسلام کو قبول کرنے کے بعد آپ کو کچھ چیزیں چھوڑنی پڑی ہیں' مثال کے طور پر گانا بجانا وغیرہ؟

جواب: میں پہلے اور راستے پر تھا مگر اب دوسرے راستے پر ہوں۔ جب میں نے اسلام کو قبول کر لیا تو چند کام باقاعدہ طور پر کرنے شروع کر دیئے' جن میں سے ایک اہم کام نماز پڑھنا ہے۔ میں دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہوں جس کی وجہ سے میری زندگی میں ایک عجیب احساس پیدا ہوا' اللہ تعالیٰ سے تعلق کا احساس۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قربت کا احساس اس کے سامنے کھڑے ہو کر ہی حاصل ہوتا ہے' اس طرح آپ کی اللہ سے پہچان کی ابتدا ہوتی ہے۔ پھر آپ کو احساس ہوتا ہے کہ کچھ کام ایسے ہیں جنہیں آپ کو چھوڑنا ہو گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ کون سے کام جائز ہیں اور کون سے کام ناجائز۔

سوال: قرآن میں انسان کے لئے ایک سخت ضابطہ بتایا گیا ہے' کیا اس سے آپ کو قید کا احساس نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح انسان کی اپنی مرضی پر پابندی لگ جاتی ہے؟

جواب: میرے خیال میں حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ آزاد ہیں اور اپنی مرضی کے مالک ہیں' کیا وہ واقعی آزاد ہیں؟ میرے خیال میں وہ غلطیاں کرتے رہنے کے لئے ضرور آزاد ہیں۔ لیکن اگر آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ اختیار کریں تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ آپ کو اپنی مرضی ترک کر دینی پڑے گی بلکہ اسلام میں اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ یہ میرے نزدیک اپنے آپ کو خود پابند کرنے والی بات ہے۔ اسلام کے بنیادی اصول (جسے اکثر لوگ نہیں جانتے) کے تحت مسلمان کو سوائے ممنوعات کے ہر کام کرنے کی آزادی ہے۔ مثال کے طور پر اسلام میں سب کھانے حلال ہیں سوائے خنزیر کے گوشت اور مردار کے' تو اگر آپ دوسرے طریقے سے سوچیں تو معلوم ہو گا کہ اسلام میں ہر چیز کی آزادی ہے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے خلاف قانون قرار دے دیا ہو۔

سوال: جب آپ نے اسلام کو قبول کیا تو آپ کے دوسرے ساتھیوں (جو کہ موسیقی میں

آپ کے ساتھ تھے) کا ردعمل کیسا تھا؟

جواب: میں نے قبول اسلام کرنے سے پہلے قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا تھا اور بتدریج سماجی حلقوں سے دور ہوتا چلا گیا' کیونکہ مجھے اس طرح کی ضیافتیں پسند نہیں تھیں جن میں ہر وقت نشے میں رہنا پڑتا تھا۔ میرے دوستوں نے اس رویے کو عجیب نظروں سے دیکھنا شروع کر دیا۔

اس دوران میں میں قرآن پاک تقریباً ہروقت اور ہر جگہ اپنے پاس رکھتا تھا۔ میرے بہت سارے دوستوں کو یہ احساس تھا کہ میں جس چیز کو ایک عرصے سے تلاش کر رہا تھا' وہ مجھے ملنے والی ہے اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک مرحلہ ہے جو گزر جائے گا۔

سوال: آپ کے ان دوستوں میں سے کوئی اسلام میں داخل ہوا؟

جواب: میرے دوست جو کہ گزشتہ پیشہ موسیقی میں میرے ساتھ تھے' ان سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ انہوں نے میری طرح اسلام کو قبول کر لیا ہے مگر انہوں نے اسلام کے پیغام کو ضرور جان لیا ہے' اور یہ بات نہایت اہم ہے۔ اس پس منظر میں یہ بات اہم ہوتی ہے کہ اگر آپ خلوص سے کسی نظریہ حیات کے متلاشی ہوں تو آپ ہر چیز کو اپنی سوچ کے مطابق ہی دیکھیں گے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ اسلام کے متعلق مغالطے میں رہتے ہیں' اور فی الحقیقت اکثر غیر مسلموں نے اسلام کو اسی انداز میں پیش بھی کیا ہے۔

سوال: میرے خیال میں لوگوں کی اسلام سے دوری کی وجہ اس کے سخت احکام ہیں' مثال کے طور پر اسلامی نظام عدل جس میں چور کے ہاتھ کاٹنا وغیرہ سزائیں بھی ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: اگر آپ سعودی عرب جائیں جہاں پر اسلامی نظام عدل قائم ہے' وہاں آپ کو مشکل سے ہی کوئی ایسا آدمی ملے گا جس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو لیکن جو چیز آپ کو وہاں نظر آئے گی اور جسے خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے' وہ یہ ہے کہ لوگ جب نماز کے لئے جاتے ہیں تو اپنی دکانوں کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور واپس آکر ہر چیز کو اپنی جگہ پر پاتے ہیں' نیز لوگ اپنا سامان بغیر کسی خوف کے سڑک کے کنارے چھوڑ جاتے ہیں۔ جب کہ یہاں لوگ شور مچاتے ہیں کہ یہ سزا سخت ہے! لیکن اس کے نتائج کو دیکھیں کہ وہ ہمیں کتنا فائدہ پہنچاتے ہیں۔ دراصل اسلامی معاشرہ بے گناہ لوگوں کو تحفظ اور مجرموں کو سزا دیتا ہے۔ جب کہ

آپ یورپی معاشرے کو دیکھ لیں! اس میں مجرموں کو تحفظ اور بے گناہوں کو سزا ملتی ہے۔ اگر ہم اسے ایک اور نہایت اہم نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ ایک پیمانہ بھی ہے کہ اگر انسان خود کوئی قانون بنائے تو اس میں غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر قسم کی غلطی سے پاک ہے' جو قانون اس نے بنائے ہیں ان میں ہر ایک کے لئے بھلائی ہے۔

سوال: کیا آپ اپنے آپ کو پیغام الٰہی کا حامل تصور کرتے ہیں؟

جواب: میرے خیال میں ہر انسان پیغام الٰہی کا حامل ہوتا ہے اور اللہ نے ہر انسان کو اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے' اس لئے ہم سب لوگ اللہ کے بندے ہیں چاہے ہم اس کی اطاعت کریں یا نہ کریں۔

اب ہم اس نکتہ پر آتے ہیں کہ اسلام پر کس طرح سے عمل پیرا ہونا چاہئے؟ کیا ہم اپنی مرضی سے اس پر عمل کریں یا اس طریقے سے عمل کریں جس طریقے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے؟ کیا کوئی شخص کسی مذہب کو اختیار کر کے اسے اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر دیتا ہے یا اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیتا ہے؟

میرا ایمان ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح ایک مذہب نہیں بلکہ دین فطرت اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنی سابقہ زندگی کو تبدیل کریں تاکہ آپ ہر وہ چیز حاصل کر سکیں جسے آپ چاہتے ہیں۔ (ترجمہ: طارق خان)

✪ ✪ ✪

جناب فارض رحمت اللہ (امریکہ)

"فارض رحمت اللہ' اسلام کو قبول کرنے سے پہلے فیادر ایوان جعفرز کہلاتے تھے۔ ونزویلا کے شہر کاراکاس میں پیدا ہوئے۔ عمر ستائیس اٹھائیس سال کے لگ بھگ ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے گریجوایٹ ہیں اور فلمی صنعت کے ماہر۔ اپنی زندگی کے اوراق پلٹتے

ہوئے انہوں نے کہا:

"میرا خاندان وینزویلا سے ترک وطن کرکے امریکہ چلا گیا' جہاں میں نے اعلیٰ درسگاہوں میں تعلیم پائی۔ پھر میں نے اٹلی کی راہ لی' جہاں روما یونیورسٹی کے شعبہ فنون لطیفہ میں داخلہ لے لیا۔ کچھ مدت کے بعد امریکہ میں واپس آگیا اور کولمبیا یونیورسٹی میں فلمی صنعت کے شعبے میں داخل ہو گیا۔

اب میرا شعور خاصا پختہ ہو چکا تھا۔ مجھے امریکی معاشرے اور طلبہ کی زندگی میں شدید تناقض محسوس ہوا۔ اس تناقض پر جس قدر غور کرتا' میرا احساس اسی قدر شدید ہو جاتا۔

یونیورسٹی سے نکل کر عملی زندگی میں آیا۔ نیویارک' ہالی وڈ' کیلیفورنیا اور شکاگو میں کام کیا۔ جہاں بھی گیا' وہاں کے شب و روز میں غرق ہو گیا۔ یہ زندگی سراپا عیش و عشرت تھی۔ کوئی مادی آسائش ایسی نہ تھی جو مجھے میسر نہ ہو۔ یہاں ایک اور بات کا تجربہ ہوا۔ امریکی فلمیں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ لوگ جب انہیں دیکھتے ہیں تو ان کے دل میں یہ آرزو مچلنے لگتی ہے کہ امریکیوں کی سی شاندار زندگی بسر کریں۔ اب بھی جب لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ میں امریکہ سے آیا ہوں تو ان کے پردہ ذہن پر فلموں میں دیکھے ہوئے امریکی زندگی کے مناظر ابھر آتے ہیں۔

مگر مجھے یہ زندگی یوں لگی جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہوں' ایسا خواب جو اپنے پیچھے ہولناک تعبیر چھوڑ جاتا ہے۔ مجھے دنیا کی ہر متاع حاصل تھی' اس کے باوجود میری زندگی کھوکھلی اور بے بنیاد تھی۔ مجھے چاروں طرف دھوکے اور فریب کی دنیا پھیلی ہوئی نظر آئی۔ میرا جی چاہتا کہ اس فریب زدہ زندگی کو چھوڑ چھاڑ کر کہیں نکل جاؤں' مگر کہاں؟ اس کا کوئی جواب میرے پاس نہ تھا۔ اس بیچارگی کا شدید ردعمل ہوا اور میں لہو و لعب اور شہوات نفسانی میں مزید ڈوب گیا اور ایسی پستیوں میں جا پہنچا کہ احساس ہونے لگا کہ میں فی الواقع جہنم میں آگرا ہوں۔

اب میرے سامنے صرف دو راستے رہ گئے تھے: اس جہنم کی راہ فرار میں بدستور زندگی بسر کرتا رہوں یا کوئی اور طرزِ حیات اپنالوں ـــــ لیکن وہ نیا طرز حیات کون سا ہو سکتا ہے؟ اس سوال نے مجھے ایک تکلیف دہ صورتحال سے دوچار کر دیا' اور پھر ایک روز دل کی گہرائیوں سے روشنی کی کرن نمودار ہوئی جو رفتہ رفتہ سرگوشی میں ڈھل گئی: "زندگی کے

جس راستے کی تمہیں تلاش ہے وہ مذہب ہی دکھا سکتا ہے۔"

میں پیدائشی کیتھولک تھا' میں نے نیویارک کے مختلف مدارس میں کیتھولک تعلیم حاصل کی تھی۔ اب جو اس مذہب کا پختہ شعور کے ساتھ مطالعہ کیا' تو مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔ پھر بدھ مت' ہندو مت اور مختلف اصنام پرست مذاہب کا مطالعہ کرتا رہا' لیکن ان میں سے کوئی میرے ذہن و قلب کے اضطراب کا مداوا نہ کر سکا۔ رہا اسلام' تو اس مدت میں مجھے اس کی خبر تک نہ ہو سکی۔ امریکہ میں آپ کو اسلام کے سوا ہر مذہب پر بے شمار کتابیں مل سکتی ہیں۔ اسلام پر کوئی کتاب کیوں آسانی سے نہیں ملتی؟ اس کے دو سبب ہیں:

اول: یہ کہ یہودی تنظیمیں ذرائع ابلاغ' صحافت' سینما' تھیٹر' اور لائبریریوں ہر شعبے پر چھائی ہوئی ہیں۔ وہ پوری کوشش کرتی ہیں کہ اسلام کی تعلیمات لوگوں تک اپنی حقیقی شکل و صورت میں نہ پہنچنے پائیں۔

دوم: یہاں زیادہ تر مسلمان کالے ہیں اور کالوں کو امریکی گورے شیطان یا موت سے کم نہیں سمجھتے۔ یونیورسٹیوں میں بھی کالے ہیں جو اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں' وہی امریکہ میں انقلاب کے ہراول بنے ہوئے ہیں' جس سے عام امریکی سخت خائف ہیں۔ اس طرح وہ اسلام کو بھی خطرناک دین سمجھنے لگے ہیں۔

بہر حال میں نے جن مذاہب کا مطالعہ کیا' ان کے دامن میں مجھے اپنی بیمار روح کی شفایابی کا کوئی سامان نہ ملا۔ آخر خدا کی طرف رجوع کیا اور اس سے دعائیں مانگنے لگا کہ وہ مجھے ہدایت بخشے اور گمراہی کی اس ہولناک دلدل سے نکالے۔ دعا مانگتے مانگتے میں (شاید اپنی فطرت کے تقاضے سے) سجدے میں گر جاتا۔ ایک مرتبہ میں اسی طرح سجدے میں پڑا دعا مانگ رہا تھا کہ لوگوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو مسلمان وہی کچھ اپنی نماز میں کرتے ہیں۔

تجسس کا شعلہ میرے دل میں بھڑک اٹھا کہ ذرا اسلام کا مطالعہ بھی کر دیکھوں۔ مطالعے کا آغاز ناقدانہ انداز میں کیا' پھر رہ رہ کر مایوسی بھی آ لیتی۔ دوسرے مذاہب کی طرح اس کے دامن میں بھی کیا خبر کچھ ملے گیا یا نہیں؟ لیکن رفتہ رفتہ مایوسی کی جگہ امید اور ناقدانہ انداز کی جگہ خوشگوار حیرت نے لے لی۔ علامہ عبداللہ یوسف علی کا ترجمہ قرآن پڑھا' تو مجھے اپنے نفس کی گرہیں کھلتی ہوئی دکھائی دیں۔ قرآن کے معانی دل کی گہرائیوں

میں منتقل ہوتے چلے گئے۔ یوں محسوس ہوا جیسے میری فطرت اسی طریق زندگی کی تلاش میں تھی۔ قرآن کے مطالب پر غور و تدبر میں اضافے کے ساتھ ساتھ واضح ہوتا چلا گیا کہ اسلام کی تعلیمات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔

اب وقت کا زیادہ تر حصہ قرآن پڑھنے اور سمجھنے میں گزرنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ اس مقدس کتاب ہدایت میں میری روح کی ہر احتیاج کا سامان موجود ہے۔ چنانچہ میں مسلمان ہو گیا' قبول اسلام کرنے کے بعد میں نے اسلامی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا۔ یہ مطالعہ جیسے جیسے بڑھتا گیا' نئے نئے حقائق منکشف ہوتے چلے گئے اور اسلامی نظام زندگی پر میرا یقین اور مستحکم ہو گیا۔ جس معاشرے میں میں پیدا ہوا اور پھر پروان چڑھا اس نے میری اخلاقی اور روحانی زندگی تباہ کر کے رکھ دی تھی' لیکن اسلام جو معاشرہ قائم کرتا ہے وہ نہ صرف روح کی احتیاج پوری کرتا ہے بلکہ مادی زندگی کو بھی معقول' معتدل اور متوازن بنیادوں پر استوار کرتا ہے' اور یہی انسان کی فلاح و کامیابی کا ضامن ہے۔ اسلام کے اس پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔

میری والدہ نے جب سنا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میں نے انہیں اسلامی تعلیمات بتائیں تو وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئیں۔"

میں نے ارخ فارض سے پوچھا کہ کیا وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو کوئی پیغام دیں گے؟ کہنے لگے: "میں ان کو صرف ایک بات کہوں گا' یہ کہ مادی زندگی کی طرف نہ دیکھیں بلکہ اللہ نے ان کو دین حق کی صورت میں جو سرمایہ حیات دیا ہے وہ اس کی طرف دیکھیں' اس کی تعلیمات اور احکام پر عزم و ثبات سے عمل پیرا ہوں اور اس کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں نافذ کریں۔ مادی زندگی اور اس پر مبنی تمام نظریہ ہائے حیات ناپائیدار اور ستم کیش ہیں اور محض شیطان کے پیدا کردہ ___ جاز اور راک اینڈ رول کی موسیقی میں گم نہ ہوں بلکہ وہ اس مترنم آواز کی طرف متوجہ ہوں جو موذن دن رات میں پانچ مرتبہ بلند کرتا ہے اور انہیں اللہ کی کبریائی اور فوز و فلاح کی زندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے: اللہ اکبر--- اللہ اکبر--- حی علی الصلوۃ--- حی علی الفلاح---" (ترجمہ: سعید منصور)

⭘ ⭘ ⭘

عبداللہ گلبرٹ (فرانس)

پیرس میں مقیم شہرہ آفاق مصنف، عالم دین اور مفکر ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ چند برس قبل فرانس میں گلز گلبرٹ نام کا ایک ایسا شخص رہتا تھا جو اپنے ذوق، مزاج اور پیشے کے اعتبار سے مشہور ماہر موسیقار تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی تھا اور موسیقی کے فن پر عبور بھی رکھتا تھا۔ حسن اتفاق کہ اس نے کسی مسلمان قاری کو قرآن پڑھتے ہوئے سن لیا اور پھر تو وہ قرآن کے لحن کا شیدائی بن گیا۔ اس کے نزدیک یہ موسیقی تھی اور اس کا وہ اس طرح غیر معمولی شیدائی ہوا کہ اکثر و بیشتر وہ فرمائش کر کے قاری صاحبان سے قرآن سنا کرتا۔ لیکن جب ایک مرتبہ اسے بتایا گیا کہ قرآن نثر کی کتاب ہے اور اسے شاعری سے دور کا بھی واسطہ نہیں، تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ سوچتا رہتا کہ شاعری خواہ کسی زبان کی ہو وہ بہر حال مترنم ہوتی ہے، اسے گایا جا سکتا ہے، اس کے مصرعوں کی تقطیع کی جا سکتی ہے اور اسے خاص اوزان پر جانچا جا سکتا ہے لیکن دنیا کی کسی زبان کی نثر میں یہ خصوصیت نہیں ہوتی۔ اس میں نہ اوزان ہوتے ہیں اور نہ اسے کسی طرح گایا جا سکتا ہے۔ یہ منفرد و یکتا صلاحیت صرف عربی زبان میں ہے کہ وہ نثر ہے مگر پھر بھی اسے گایا جا سکتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ یہ عجیب و غریب اور منفرد خصوصیت اس میں کیسے پیدا ہو گئی؟

اس سوال کا جواب پانے کے لئے گلز گلبرٹ نے عربی زبان سیکھنی شروع کر دی اور تھوڑے عرصے بعد وہ روانی سے قرآن پاک پڑھنے لگا۔ اس نے جیبی سائز کا ایک قرآن پاک خرید لیا۔ وہ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا اور اکثر و بیشتر اس کا مطالعہ کرتا رہتا۔ اس نے قرآن کی متعدد چھوٹی سورتیں زبانی یاد کر لیں اور انہیں خوش الحانی سے پڑھتا رہتا حتیٰ کہ کچھ ہی عرصے بعد اس نے اسلام کو قبول کر لیا اور عبداللہ گلبرٹ نام اختیار کیا۔

میری موصوف سے ملاقات بیس سال پہلے استنبول میں ہوئی۔ اس نے اپنے نظریے یا انکشاف کی وضاحت کی کہ "شاعری یا منظومات کو ریاضی کے کلیوں کی طرح مختلف اوزان پر جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے لیکن دنیا کی کوئی نثر خواہ وہ کلاسیکل ہو یا ماڈرن، اس معیار پر پورا نہیں اترتی۔ یہ انفرادیت صرف عربی اور وہ بھی قرآنی عربی کو حاصل ہے کہ اس کی آیات کو شاعری کے اوزان کی طرح جانچا جا سکتا ہے اور ایک لفظ اگر ادھر ادھر ہو جائے تو تجوید کا

جاننے والا فوراً اس سے باخبر ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا' لازماً یہ وحی الٰہی ہے اور یہی سبب ہے کہ میں اس پر ایمان لے آیا۔"

میں استنبول میں تھا کہ ایک روز وہ میرے پاس یونیورسٹی میں آیا اور سخت برہم اور جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے کہا: "یقیناً ہمارے مسلمان بزرگوں نے کسی طرح قرآن پاک کا ایک ٹکڑا گم کر دیا ہے" وضاحت کرتے ہوئے وہ کہنے لگا: "سورہ نمبر ۱۱۰ (اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ) میں لوگ پڑھتے ہیں "اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ" اور موسیقی کے اصولوں کے مطابق یہ ناممکن ہے۔"

اللہ کا شکر ہے کہ مجھے فن تجوید سے بھی کچھ شناسائی تھی' اس لئے میں نے اسے بتایا کہ "نہیں' اس آیت کو پڑھنے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں بلکہ اسے اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ (افواجن فسبح) بھی پڑھا جا سکتا ہے۔" یہ سن کر وہ اچھل پڑا' اس کا سارا اضطراب سکون میں بدل گیا اور کہنے لگا: "واہ! بہت خوب' مسئلہ حل ہو گیا۔ فن اور موسیقی کا ایک لازمی تقاضا پورا ہو گیا۔ لایئے! میں آپ کے ہاتھ پر ایمان کی تجدید کرتا ہوں۔"

عبداللہ گلبرٹ کو ترکوں سے بڑی محبت تھی۔ پیرس میں وہ ترکوں کی مسجد میں جمعہ کے لئے آیا کرتا اور وہیں اس سے ملاقات ہوا کرتی۔ افسوس! وہ کچھ عرصہ بیمار رہ کر وفات پا گیا' اللہ مغفرت کرے۔ (ترجمہ: "یقین انٹرنیشنل" ۷ مارچ ۱۹۸۴ء)

✪ ✪ ✪

بی۔بی۔سی کے سربراہ کے بیٹے کا قبول اسلام

گزشتہ دنوں بی بی سی لندن کے سخت گیر ڈائریکٹر جنرل جان برٹ کے بیٹے جوناتھن برٹ نے اسلام کو قبول کر لیا ہے اور ایک ۲۴ سالہ صحافی خاتون فوزیہ بورا سے شادی کر لی ہے۔ اس نے اپنا مسلم نام یحییٰ رکھا ہے' بتایا جاتا ہے کہ اس کے نام جوناتھن کا یہ عربی ترجمہ ہے۔ نومسلم یحییٰ کی ملاقات فوزیہ سے ۱۹۹۶ء میں ہوئی تھی۔ فوزیہ کے اسلامی طور طریقے دیکھ کر یحییٰ اسے بڑے انس سے چاہنے لگا۔ فوزیہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے اور (دور وسطیٰ کی مصری تاریخ میں) ماسٹر آف فلاسفی کی ڈگری کے لئے تعلیم حاصل کر رہی ہے'

اس سے قبل وہ اسی یونیورسٹی سے انگریزی زبان میں فرسٹ کلاس آنرز کی ڈگری لے چکی ہے۔ اسلام سے رغبت اور قبول اسلام کرنے پر جوناتھن کی آمادگی کی وجہ اس کا ایک مسلمان دوست بنا ہے' اس مسلم دوست نے مذہب کے متعلق جوناتھن (یحییٰ) کا رویہ اور نقطہ نظر بالکل بدل کر رکھ دیا اور وہ خود بھی رکھ رکھاؤ' طور طریقوں' نشست و برخاست میں بدلتا چلا گیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جوناتھن (یحییٰ) نے ایک اسلامی مرکز (جو کہ ایک اسلامی کتب خانہ ہے) پر کام کرنا پسند کیا ہے۔ کیونکہ اس نے سوچا کہ اس طرح اسے اسلام کا مطالعہ کرنے اور سمجھنے کا اچھا موقع ملے گا۔ وہ اس مرکز پر واحد یورپی شخص ہے جو لوگوں کو عربی زبان' اسلامی ادب و تاریخ اور دوسرے اسلامی موضوعات سے متعلق کتابوں کی معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس مرکز پر اس کا کام تعطیلات تک ہے' جس کے بعد وہ یہاں سے روانہ ہو کر اپنی یونیورسٹی میں پھر تعلیم کا حصول شروع کر دے گا۔ اس نے اپنے مغربی طور طریقے' یورپی رنگ ڈھنگ سب ترک کر دیا ہے۔ اب جب وہ گفتگو کرتا ہے تو اللہ کا نام اور قرآن کریم کی آیات کا حوالہ بھی اس میں ہوتا ہے۔ ہندوستانی خاتون فوزیہ سے اس کی شادی گزشتہ ماہ ہوئی تھی جس کے بعد ان دونوں نے شام' اردن' مشرقی بیت المقدس کا دورہ کیا تھا۔ بی۔ بی۔ سی کے ڈائریکٹر جنرل جان برٹ نے بتایا کہ اب ان کا بیٹا تبلیغ اسلام میں مصروف رہتا ہے۔ اس نے اپنا مغربی لباس بھی ترک کر دیا ہے۔ اب وہ شلوار قمیض میں نظر آتا ہے' سر پر تقریباً ہر وقت ٹوپی رہتی ہے اور آیات کی تلاوت اکثر کرتا رہتا ہے۔ تسبیح بھی ہاتھ میں رہتی ہے۔

یاد رہے کہ بی۔ بی۔ سی کا ڈائریکٹر جان برٹ اس قدر امیر ہے کہ ۵ لاکھ پاؤنڈ مالیت کی رہائش گاہ میں رہتا ہے' دنیا بھر میں پھیلے ہوئے بی۔ بی۔ سی کے ہزاروں کارکنان کی ارسال کردہ خبروں' فیچرز' رپورٹوں کو ریڈیائی لہروں کے ذریعہ سے دنیا بھر کی درجنوں زبانوں میں ترجمہ کروا کے پوری دنیا میں نشر کرنے کا اہتمام کرتا ہے۔ یحییٰ نے جس اسلامی کتب خانے میں ملازمت اختیار کی ہے وہاں وہ بذریعہ ٹرین پہنچ کر اپنے روزگار کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ یوں وہ دینی کتب کی فروخت کے ذریعے سے اپنے روزگار سے وابستہ ہیں۔

"اذان نے میری دنیا بدل دی"

محمد عبدالرؤف براؤن (کینیڈا)

کینیڈا کے پاپ سٹار اوینگ براؤن نے گزشتہ دنوں جدہ میں اسلام کو قبول کرلیا' اب ان کا مسلم نام محمد عبدالرؤف براؤن رکھا گیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق بتایا جاتا ہے کہ مذکورہ پاپ سٹار جو کینیڈا میں عالمی شہرت یافتہ ڈانسر اور گلوکار مائیکل جیکسن کے بھائی جمی جیکسن کے ساتھ اپنے شو منعقد کیا کرتا تھا' جمی جیکسن کے قبول اسلام کرنے کے بعد لفظ "اسلام" سے پہلی دفعہ مانوس ہوا۔ براؤن جس کی پیدائش اور پرورش کیتھولک گھرانے میں ہوئی' اپنے دوست جمی جیکسن کے حج بیت اللہ کی ادائیگی کے بعد سعودی عرب سے آئی ہوئی کتابوں کے مطالعہ کی جانب راغب ہوا' نیز جمی جیکسن کی زندگی میں قبول اسلام کے بعد آنے والی یک لخت تبدیلی نے اس کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا۔ وہ بتاتے ہیں کہ اسلام کے موضوع پر کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام کی حقانیت مجھ پر واضح ہوتی چلی گئی' ورنہ اس سے قبل میں اسلام کو ایک دہشت گرد اور ازکار رفتہ دین سمجھتا تھا' مگر کتابوں کے مطالعہ نے مجھ پر ایک نئی دنیا روشن کردی' اسلام کا پیغام میرے دل کو چھونے لگا جس نے میرے اندر اسلام کی مزید معلومات حاصل کرنے کا داعیہ پیدا کردیا۔ ایک دن سے میں اپنی والدہ کے پاس نیویارک گیا' جہاں میری قیام گاہ کے قریب ہی پانچ وقت بلند آواز سے اذان کہی جاتی تھی' چنانچہ ہر اذان کی آواز میرے دل کی دنیا میں ہل چل مچانے لگی۔ اس کے بعد جذبہ شوق کی رفتار مجھے مصر اور سعودی عرب لے گئی' جہاں میں نے نہایت قریب سے مسلم معاشرے اور ماحول کا مطالعہ کرنے کے بعد بالآخر اسلام کو قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ (ماخوذ)

✪ ✪ ✪

"مجھے شہادت فی سبیل اللہ عزیز تر ہے"

صابر ابو الاعلیٰ (مصر)

اوپر درج شدہ یہ الفاظ صابر ابو الاعلیٰ کے ہیں، جو مصر کے مشہور پاپ سنگر اور موسیقی کے استاد تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دین اسلام کی اشاعت و تبلیغ کے لئے چن لیا اور وہ اس "فن" سے تائب ہو کر مصر کی راسخ العقیدہ جماعت "الجماعت الاسلامیہ" سے منسلک ہو گئے۔ ان دنوں ۳۲ سالہ صابر ابو الاعلیٰ اپنے ۲۴ سالہ بھائی محمود کے ساتھ نظر بند ہیں اور ان دونوں بھائیوں پر قاہرہ کی ایک فوجی عدالت میں ۹ جرمن سیاحوں کے قتل کے الزام میں مقدمہ چل رہا ہے۔ فوجی عدالت کے ججوں کا رویہ ظاہر کرتا ہے کہ دونوں بھائیوں کو یقینی طور پر سزائے موت دے دی جائے گی۔

صابر ابو الاعلیٰ نے پورے ایمانی جذبات کے تحت عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں عدالت کی طرف سے متوقع سخت سزا کی کوئی پرواہ نہیں، ہمیں یورپ اور یہودیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے مقابلے میں شہادت فی سبیل اللہ زیادہ پسند اور قبول ہے۔ (ماخوذ)

✪ ✪ ✪

مشہور فلپائنی اداکار رابن کا قبول اسلام!

فلپائن کے مشہور اداکار رابن پوڈیلا نے بھی "فن" کو خیرباد کہہ کر اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ ان دنوں وہ اسلحہ رکھنے کے جرم میں ۲۱ سالہ قید کاٹ رہے ہیں۔ ۲۴ سالہ رابن کا کہنا ہے کہ اسلام نے مجھے جذباتی اور روحانی طور پر مزید مستحکم بنا دیا ہے۔ اس سال میں نے جیل میں پہلی بار رمضان کے روزے بھی رکھے ہیں۔ انہوں نے فلپائنی عوام سے کہا ہے کہ وہ تعصب اور جھوٹ و نفرت کو ختم کر کے اسلام کو بہتر طور پر سمجھنے کی کوشش کریں۔

(ماخوذ)

✿ ✿ ✿

باب نمبر ۲

پھر ہم نے فلمی صنعت کو خیر باد کہہ دیا!

ملکی و غیر ملکی مسلم اداکاراؤں / گلوکاراؤں کی "فلمی دنیا" سے تائب ہونے جبکہ غیر مسلم فنکاراؤں کے مشرف بہ اسلام ہونے کے ایمان آفریں واقعات و مشاہدات —— جو ہم روایتی مسلمانوں کو انقلابی و شعوری مسلمان بننے کی دعوت دیتے ہیں۔

"پھر قرآن کی آیات میرے دل میں اترتی چلی گئیں!"

محترمہ سہیر الباهلی (مصر)

قریباً پندرہ سال قبل برطانیہ کے مقبول ترین گلوکار (پاپ سنگر) کیٹ سٹیونز (موجودہ نام: یوسف اسلام) کے قبول اسلام نے یورپ میں بالعموم اور برطانیہ میں بالخصوص تہلکہ مچا دیا تھا۔ کیٹ سٹیونز برطانیہ کا وہ گلوکار تھا جس کے پروگراموں کے تمام ٹکٹ کئی ہفتے پہلے ہی فروخت ہو جایا کرتے تھے اور اس کے ریکارڈ لاکھوں کی تعداد میں بکتے تھے۔ اس کی دولت کا کوئی اندازہ نہیں تھا۔ برطانیہ کے عوام' بالخصوص نوجوان اس کے دیوانے تھے۔ مغرب کے اس اہم فرد کے قبول اسلام نے وہاں کے معاشرے پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں' کچھ اسی طرح کا معجزہ قدرے مختلف نوعیت کے ساتھ تقریباً چار پانچ برس قبل عالم عرب کے مشہور ملک مصر میں ظہور پذیر ہوا تھا جس میں مصر کی فلمی "صنعت" سے وابستہ ایک اداکارہ مدیحہ کامل نے "فن" سے توبہ کرتے ہوئے فلمی "صنعت" کو خیرباد کہہ کر مصری معاشرے کو مبہوت و ششدر کر دیا تھا۔ مدیحہ کامل کے اعلان توبہ کے چند ہفتوں کے بعد ایک دو اور اداکارائیں تائب ہو گئیں۔ بس پھر کیا تھا! تائب ہو کر "فن" کو خیرباد کہنے والی اداکاراؤں اور گلوکاراؤں کی ایک لائن لگ گئی اور مصر کی فلمی دنیا میں گویا ایک بھونچال سا آگیا۔ اس پر فلمی دنیا کے کارپردازوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی عالم پریشانی میں انہوں نے نئے چہرے تلاش کرنا شروع کر دیے تاکہ "ٹیمپو" کو برقرار رکھ سکیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مصر میں "فلمی صنعت" کی بنیادیں ہل چکی ہیں۔ فلم سازوں' پروڈیوسرز اور ہدایت کاروں نے تائب ہونے والی اداکاراؤں اور گلوکاراؤں کو دھمکیوں اور بلیک میلنگ کے ذریعے سے خوفزدہ کرنے کے ساتھ ساتھ پرکشش ترغیبات سے بھی رام کرنے کی بہت کوششیں کیں' لیکن وہ ناکام رہے۔ طرح طرح کی الزام تراشیاں الگ کی گئیں۔ اب تک جو اداکارائیں اور گلوکارائیں تائب ہو کر دعوت دین کا راستہ اختیار کر چکی ہیں' ان میں مدیحہ کامل' لیلیٰ طاہرہ'

سوسن بدر' شہیرہ' شادیہ' عفاف شعیب' فریدہ سیف النصر' سحر حمدی' یاسمین الجیام (سابق مشہور مغنیہ)' شمس البارووردی' نسرین' امیرہ' ہالہ فواد' ہالہ الصافی' مدیحہ حمدی' کمیلیا الغزالی' عبدالرازاق اور حناء' ثروت' ماجدہ حمید (ایک سابق فلم پروڈیوسر) طروب (ایک لبنانی مغنیہ) اور سہیر البابلی شامل ہیں۔ یہ وہ فلمی اداکارائیں / گلوکارائیں ہیں جنہوں نے اپنی فلموں میں ہر قسم کے کردار اپنائے' گندے اور فضول کردار اپنانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ لیکن توبہ کے بعد انہوں نے اپنے تمام کنٹریکٹ منسوخ کر دیئے اور اس معاملے میں فلمسازوں کی ایک نہ سنی۔ ان اداکاراؤں نے ان کے تمام دلائل اور پرکشش و دھمکی آمیز سمیت ہر قسم کے موقف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو اس پر تعجب ہو' لیکن اصل بات یہ ہے کہ جب ایمان دل میں راسخ ہو جاتا ہے اور جڑیں پکڑ لیتا ہے تو پھر دل کی دنیا ہی بدل جاتی ہے۔ پھر انسان کے رویے' طور و اطوار' انداز فکر اور رہن سہن میں انقلاب آ جاتا ہے' الغرض انسان کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ مصر کی فلمی دنیا میں بتدریج ایک خوشگوار تبدیلی آ رہی ہے' جس کے اثرات مصری معاشرے پر پڑنا شروع ہو گئے ہیں' اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!

ہم تائب ہونے والی اداکاراؤں میں سے ایک اداکارہ سہیر البابلی کی توبہ کی داستان ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ جسے پڑھ کر قارئین کو اندازہ ہو گا کہ مصر کی فلمی دنیا میں کتنا بڑا انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ سہیر البابلی حسن و رعنائی اور فن اداکاری میں ہمارے ہاں کی اداکاراؤں سے کہیں آگے تھی۔ عالم عرب میں اس کے حسن اور اداکاری کا ڈنکا بجتا تھا اور اس کا نام ہی فلم کی کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ نہ صرف مصر بلکہ پورے عالم عرب کے فلمی تماشبین اس کی اداکاری کے دیوانے تھے۔ اس کی شہرت اور حسن کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب وہ پردہ سکرین پر جلوہ گر ہوتی تو لوگ دل تھام کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ غرض وہ اللہ سے بہت دور رنگ و بو کی برائیوں کے سیلاب میں غرق تھی۔ وہ جنت' جہنم اور موت کے تصور سے ناآشنا اور عیش و عشرت' مال و دولت کی دلدادہ تھی۔ لیکن اچانک منظر اس طرح بدلتا ہے کہ شہرت اور دولت کی بھوکی' موت کے خوف سے لرزنے لگتی ہے اور دنیاوی عیش و عشرت کی دلدادہ' جنت کی طلبگار بن جاتی ہے۔

یہ تبدیلی کیسے آئی؟ اس سلسلہ میں "للندوۃ العالمیہ للشباب" جو مسلم نوجوانوں کی بین الاقوامی تنظیم ہے اور جسے عرف عام میں Wamy
(جو World Association of Muslim Youth کا مخفف ہے) کہا جاتا ہے کے عربی مجلہ میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں سہیر البابلی کے تاثرات بیان ہوئے ہیں۔ یہ تاثرات قارئین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں۔

سہیر البابلی کہتی ہیں:

"جب میں چھوٹی سی بچی تھی تو مجھے ڈرامے دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ حتیٰ کہ میں اداکاراؤں کی نقل کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی اور ان کی چال ڈھال' ان کے کھانے پینے' اٹھنے بیٹھنے' چلنے پھرنے کے اطوار اور لباس کا اسٹائل اپنانے کی کوشش کرتی تھی۔ یہاں تک کہ میں جوان ہو گئی۔ تب میں نے اپنے شوق کو مہمیز دینے کے لئے آرٹ سکول میں داخلہ لے لیا اور "فن" سیکھنے لگی۔ میری ماں نے مجھے اس سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن میں نے اس کی ایک نہ سنی اور "فن" کی گندی دلدل میں اترتی چلی گئی۔ مجھے اب خیال آتا ہے کہ کاش! میں نے یہ نہ کیا ہوتا کیونکہ میرے اس فیصلے نے میری ماں کو روگ لگا دیا اور وہ میری بے راہ روی کی وجہ سے بیمار ہو گئی۔

میں "فن" کی گندی دلدل سے نکل کر ایمان کی شاہراہ پر کیسے گامزن ہوئی؟ یہ بھی ایک دلچسپ کہانی ہے۔ دراصل مجھے ایمان کی طرف راغب کرنے میں میری بہن کی موت نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس کی موت نے میرے اندر انقلاب برپا کر دیا۔ میں تیس سال سے "فن" سے وابستہ تھی مگر میرا دل سکون و اطمینان سے خالی تھا۔ دولت اور شہرت کی بھوک تھی کہ مٹنے میں نہیں آتی تھی۔ شیطان ہر وقت مجھ پر غالب رہتا تھا۔ میری خواہش تھی کہ جب مجھے موت آئے' تو کسی فلم کے ڈائیلاگ بولتے ہوئے یا کسی اسٹیج پر اپنے "فن" کا مظاہرہ کرتے ہوئے موت آئے۔ میری سوچ یہ تھی کہ میرا سب کچھ میرا فن ہے۔ میرا دین' میرے والدین اور سب کچھ میرا فن ہی ہے (معاذاللہ) لیکن میری سوچ میں اس وقت تبدیلی آئی جب میری بہن اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئی۔ میری بہن مجھ سے کم عمر لیکن زیادہ صحت مند تھی۔ اسے اللہ نے خوبصورتی سے بھی نواز رکھا تھا۔ اس کی وفات

کے بعد ایک دن مجھے خیال آیا کہ اگر اس کی جگہ میں ہوتی تو کیا یہ امر بعید تھا اور کیا مجھے کبھی موت نہ آئے گی؟ اگر مجھے مرنا ہے اور یقیناً مرنا ہے' پھر یہ حقیقت ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور یہ دنیا میرے سمیت سب کو چھوڑنی ہے تو پھر یہ سارا مال و دولت' زیب و زینت' نام و نمود اور ہیرے جواہرات کس کام کے؟ کیا یہ مجھے جہنم کی آگ سے بچا سکیں گے؟ ان خیالات و تفکرات نے میری کایا پلٹ دی اور میں نے سوچا کہ اب مجھے روایتی مسلمان کا لبادہ ختم کرکے باشعور مسلمان بن کر رہنا چاہئے۔ اس تبدیلی کے بعد میں نے ازہر یونیورسٹی قاہرہ جانا شروع کر دیا اور وہاں علماء سے جنت اور جہنم کے بارے میں سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ اسی اثناء میں ایک کتاب بعنوان "موت" میرے ہاتھ لگ گئی۔ میں نے اس کا مطالعہ کیا تو میرے دل پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ میں بیمار پڑ گئی۔ ایک ہفتہ کے بعد میری طبیعت کچھ سنبھلی تو میں شیخ محمد عبدالکافی کے پاس گئی اور ان سے درخواست کی کہ وہ مجھے دین کی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ اس پر شیخ نے فرمایا: "تم نے کبھی قرآن پڑھا ہے اور اس کے معانی پر غور کیا ہے؟" جواباً میں نے کہا: "قرآن تو پڑھا ہے لیکن اس کے معانی پر غور نہیں کیا۔" تب شیخ نے فرمایا: "قرآن کی ہر آیت اور ہر لفظ کو پڑھ کر ان کے معانی پر غور کرو' اور پردہ کیا کرو۔" میں نے شیخ سے کہا کہ اس سلسلہ میں مجھے ایک سال کی مہلت دے دیں تو شیخ نے جواب دیا کہ "مہلت اللہ سے طلب کرو۔" جب میں نے قرآن کی تفہیم شروع کی تو میں قرآنی آیات کے معانی کی گہرائی پر حیران رہ گئی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے قرآن کی آیات اپنے معانی کے ساتھ میرے دل میں اترتی چلی جا رہی ہیں۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ یہ ایک ایسا شیریں کلام ہے جس نے میرے دل کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ میرے تصور میں تو یہی تھا کہ پردہ دنیا کی تمام آسائشوں اور رنگینیوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے۔ اسی لئے میں اس سے خوفزدہ تھی اور جھجک محسوس کرتی تھی۔ اسی دوران میں میں نے عمرہ کے لئے رخت سفر باندھا۔ مکہ میں پہنچ کر میں بیت اللہ میں ہر نماز کے بعد دعا کرتی کہ "یا اللہ! میرے دل میں اس اداکاری سے نفرت پیدا کر دے اور مجھے راہ حق دکھا دے۔" وہاں میں شدت کے ساتھ روتی بھی تھی۔ وہیں پر میں نے عہد کیا کہ میں آئندہ رقص و سرود' مخلوط محافل اور دیگر شیطانی اعمال سے اجتناب کروں گی' ان شاء اللہ! وطن

واپس آکر میں تمام شیطانی افعال سے تائب ہو گئی اور پردہ کرنے لگی۔ میرا یہ فعل لوگوں کے لئے باعث تعجب تھا۔ بہت سے لوگوں نے اس پر میرا مذاق اڑایا اور بعض کو میرا یہ "کردار" اس قدر برا لگا کہ انہوں نے مجھے باقاعدہ گالیاں دیں۔ درحقیقت یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی' جس سے میں دوچار ہو گئی تھی۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جب میں عریاں ہوتی تھی تو یہ لوگ محظوظ ہوتے تھے اور تالیاں بجاتے تھے۔ مجھے ان کی اس ذہنیت پر بہت افسوس ہوتا۔

بعض لوگ تو اس حد تک گر گئے کہ انہوں نے الزام لگایا کہ "میں عمرہ کرنے تو ایک بہانے سے گئی تھی۔ وہاں مجھے سعودی شیوخ نے کئی ملین ریال دیئے تاکہ میں "فن" کو چھوڑ دوں۔" مجھے ان کے اس الزام پر دکھ بھی ہوا اور حیرت بھی کیونکہ میں ایک فنکارہ تھی۔ اگر فلموں میں کام کرتی رہتی تو ایک سال میں کئی ملین کما سکتی تھی اور شہرت الگ۔ یہ الزام کیوں؟ جہاں تک میں سمجھی ہوں' وہ یہ ہے کہ میرا اسلام کی طرف شعوری طور پر واپس آنا ان ہوس پرست مسلمانوں کو اچھا نہیں لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ مالک الملک جس کو چاہتا ہے' ہدایت دیتا ہے اور کُنْ فَیَکُوْنُ سے زندگیوں کو بدل دیتا ہے۔ اس کی طرف سے ہر انسان کو اس کی حیات میں سنبھلنے کا کئی بار موقع ضرور ملتا ہے۔ کسی آزمائش' صدمے یا اپنی بے وقوفی کے باعث انسان یا تو اسے ضائع کر بیٹھتا ہے یا پھر سنبھل جاتا ہے۔

میری بہن کی موت اگرچہ میرے لئے شدید صدمے کا باعث بنی تھی' لیکن الحمدللہ! میرے لئے ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔ میرے نہاں خانہ دل میں یہ احساسات پرورش پا رہے تھے کہ رب نے یہ جو مجھے موقعہ دیا ہے' اس سے میں نے اگر فائدہ نہ اٹھایا تو میری بدقسمتی کا کوئی مقام نہیں۔ اب بھی میں نہ سنبھلی تو شاید کبھی نہ سنبھل سکوں۔ ان احساسات نے مجھے ہدایت کی سیدھی اور صاف و شفاف شاہراہ پر گامزن ہونے میں مدد دی۔ دراصل جو لوگ اس قسم کے مواقع گنوا بیٹھتے ہیں ان سے بڑھ کر نادان اور کون ہو سکتا ہے! میں آج بھی سوچتی ہوں کہ اگر میرے رب کی توفیق میرے شامل حال نہ ہوتی تو میں گمراہی کی تاریکی میں ہی بھٹکتی رہتی۔ بعض جرائد نے یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ میرا یہ فیصلہ مستقل حیثیت کا حامل نہیں اور میں زیادہ عرصے تک گلیمر اور "فن" کی دنیا کو نہیں چھوڑ سکتی۔ لیکن

الحمد للہ! میرے مالک نے مجھے اپنے فیصلے پر برقرار رہنے کی توفیق دی ہے' میں یہ بات واضح کرتی ہوں اور اللہ رب العزت کو حاضروناظر جان کر کہتی ہوں کہ میں آئندہ کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں اس گندے میدان میں واپس نہیں آؤں گی۔ جو دروازہ بند ہو چکا' سو بند ہو چکا' اب اسے نہیں کھولوں گی' ان شاء اللہ! کیا چمنستان پا کر بھی کوئی لق ودق صحرا کی طرف دیکھنا پسند کرتا ہے!

توبہ کے بعد میں سمجھتی تھی کہ اگر میں باپردہ ہو کر اداکاری کروں' دینی یا بچوں کے پروگراموں میں حصہ لیتی رہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں' لیکن تحقیق و مطالعے کے بعد معلوم ہوا ہے کہ یہ بھی جائز نہیں۔ اب میں سمجھتی ہوں کہ میں نے تین سال جو "فن" میں گزارے' وہ میرا دور جہالت تھا اور روشنی اور امن کا دور تو اب شروع ہوا ہے۔ اب میں نے نہ صرف "فن" سے بلکہ عریانیت' بے پردگی اور اکیلے سفر سے بھی توبہ کر لی ہے۔ اور جیسا کہ میں پہلے بھی ذکر کر چکی ہوں کہ میری یہ توبہ توبتہ النصوح ثابت ہو گی' ان شاء اللہ

میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اداکاراؤں/ گلوکاراؤں اور اداکاروں/ گلوکاروں کو ہدایت اور ایمان کی زندگی نصیب کرے' جس طرح اس نے مجھے کی ہے۔ میں (ان فنکاروں (مردوزن دونوں) سے کہوں گی کہ قبل اس کے کہ قدرت کی طرف سے ان کا محاسبہ ہو' وہ اپنے آپ کا محاسبہ کر لیں۔ ایمان کی حقیقت کو اپنائیں' نہ کہ "فن" اور گلیمر کے پیچھے بھاگیں۔ ایمان کا ذائقہ چکھ کر اطمینان اور سکون کی دولت پالیں۔"

محترم قارئین! یہ ہے سابق مصری اداکارہ سہیر البابلی کی توبہ کی داستان جس نے مصر کی فلمی "صنعت" میں ہل چل میں مزید اضافہ کیا ہے۔ توبہ کرنے والی ان اداکاراؤں اور گلوکاراؤں نے اپنا ایک حلقہ بنایا ہے جو توبہ کر کے آنے والی نئی ساتھی کے اعزاز میں ایک پروگرام کا اہتمام کرتا ہے۔ جس میں پورے قرآن کریم کی اجتماعی تلاوت کی جاتی ہے' اس کے ساتھ ساتھ New Commers کا استقبال کیا جاتا ہے۔ اس تقریب میں مصر کے سکالر اور دانشوروں کو مدعو کر کے ان سے دینی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ اس حلقے کے ذریعے سے وہ اب نہ صرف خود دینی تعلیمات سیکھ رہی ہیں بلکہ آگے بھی پھیلا رہی ہیں۔ اس طرح

وہ دعوت دین کا کام کر رہی ہیں۔ "فن" سے توبہ کرنے کا یہ عمل خواتین تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ اب بہت سے مرد فلمی اداکار یا گلوکار بھی تائب ہو کر اسلامی تہذیب اپنا رہے ہیں۔ انھوں نے باقاعدہ داڑھیاں رکھ لی ہیں جو سنت نبوی ﷺ کے مطابق ہیں۔

مصر کے معاشرے میں مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کی کشمکش میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے اور اس معاملے میں اسلامی تہذیب و ثقافت بتدریج غلبہ و تفوق حاصل کر رہی ہے۔ جب سے بہت سی اداکارائیں اور سنگرز تائب ہو کر باشعور مسلمان خواتین بن گئی ہیں' تب سے مغربی تہذیب کے حامی اور علمبردار حلقے ہراساں و پریشان نظر آتے ہیں۔ مصری عوام روز بروز اسلامی تعلیمات اور اسلامی تہذیب کو اپنا رہے ہیں۔ لیکن وطن عزیز —— "پاکستان" اور "قلعہ اسلام" میں کیا ہو رہا ہے؟ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں ایک طے شدہ منصوبے اور سازش کے تحت بے حیائی' بدکاری اور عریانی و فحاشی کو پھیلایا جا رہا ہے۔ ایران کی مشرک مجوسیت اور یہود نواز تہذیب کے علمبردار اس معاملہ میں بڑے سرگرم ہیں۔ ہمارے ہاں "شوبزنس" سے تعلق رکھنے والے افراد خود کو امن کے سفیر کہلواتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ معاشرے میں خوشیاں اور مسکراہٹیں بانٹتے ہیں (ایسی خوشیوں اور مسکراہٹوں پر ہزار لعنتیں جو لوگوں کو دین سے دور کر دیں) نیز یہ کہ وہ "فن" کی خدمت اور "ثقافت" کے فروغ کی جدوجہد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تو معاشرے کے لئے کینسر اور ناسور کی حیثیت رکھتے ہیں' جو امن کے نام پر معاشرے میں بدامنی اور تفریح کے نام پر بے حیائی و بے راہ روی پھیلاتے ہیں۔ اسے "تفریح" کا نام دیا جاتا ہے' حالانکہ یہ تو سراسر تباہی و بربادی ہے —— ایمان کی بربادی' اعمال کی بربادی' فکر اور کردار کی بربادی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ معاشرے میں عریانی و فحاشی' بے حیائی اور بدکاری کے ذریعے سے یورپ کی جو تہذیبی یلغار جاری ہے' اس کے پیچھے عالمی استعماری طاقتوں اور یہود و ہنود کا ہاتھ ہے' لیکن اصولی بات یہ ہے کہ مجرم تو ہم خود ہیں جو مغربی ثقافت کو قبول و برداشت کرتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ ان خرافات و بدعات کی وجہ سے ہمارا معاشرہ بے حس بلکہ قریبا مردہ ہو چکا ہے۔ آخر ہم کب بیدار ہوں گے؟ اگر ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر بیدار نہ ہوئے اور ہوش اور عقل و شعور سے کام نہ لیا تو دنیا میں تو ناکامی اور ذلت ہم پر مسلط رہے

گی' آخرت کی ناکامی اور عذاب کا بھی ہمیں سامنا کرنا پڑے گا' العیاذ باللہ! (تحریر: سیف اللہ ربانی)

گلیمر کی دنیا سے محترمہ سحر جلال کی واپسی!

گلیمر کی دنیا' رنگ کی دنیا' شور اور ہنگامے کی دنیا' نمود و نمائش کی دنیا' دولت اور شہرت کی دنیا' جہاں ہر اک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش میں دیوانہ وار بھاگتا چلا جا رہا ہے۔ جہاں شہرت کی ہوس نے بہت سوں کو "جنون" میں مبتلا کر رکھا ہے۔ بہت سے لوگ اپنا بہت کچھ کھو کر بھی آگے ـــــ مزید آگے بڑھنے کے خواہش مند ہیں۔ ان سب کے پیچھے ہمارے ذرائع ابلاغ کا ہاتھ ہے' جنہوں نے اسکرین کی اس دنیا کو بہت خوبصورت بنا کر پیش کیا ہے۔ کسی ڈرامے میں کوئی معمولی کردار ادا کرنے والی دوشیزہ کو بھی آئیڈیل بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے انٹرویوز شائع اور نشر کئے جاتے ہیں اور اب تو کسی نہ کسی عنوان سے کسی نہ کسی چینج کے نام پر "شرفاء" کی بیٹیوں کو اسکرین پر مدعو کیا جاتا ہے اور وہ بالکل فلمی رقاصاؤں کی طرح تھرکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

یہ دنیا جو باہر سے بہت خوبصورت اور بہت روشن ہے' اس کے پیچھے کیسے اندھیرے اور کیسی تاریکی ہے' ان شور اور ہنگاموں کے بیچ میں رہنے والوں کے اندر کتنا سناٹا ہے' کوئی نہیں بتاتا۔ اس لئے کہ جو جاتا ہے وہ پلٹ کر نہیں آتا' وہ اس کے راستوں میں گم ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک نام جو ایک عرصہ تک ٹیلی ویژن کی زینت بنا رہا' جنہوں نے ٹیلی وژن کے لئے لکھا بھی اور اداکاری بھی کی' وہ سحر جلال ہیں جو عرصہ ہوا اسکرین پر نظر نہیں آ رہیں۔ کچھ روز قبل صبح کی نشریات "سویرے سویرے" میں ان کا انٹرویو دیکھا تو پتہ چلا کہ انہوں نے شوبزنس کی دنیا کو خیرباد کہہ دیا ہے اور وہ اب سچائی کے راستوں کی تلاش میں ہیں۔ اب وہ اسکرین کی فنکارہ نہیں بلکہ داعیہ الی الخیر ہیں۔

لیکن یہ سب کیوں ہوا' کیسے ہوا؟ کون ہے جو دولت اور شہرت کا راستہ چھوڑ کر' گلیمر کی دنیا کو چھوڑ کر' دولت اور شہرت سے دامن چھڑا کر حق اور سچائی کا امین بن جائے!

اور اسی تجسس میں میں جان پائی کہ وہ اسکول کے زمانے سے ریڈیو اور ٹی۔ وی پر آتی تھیں اور بچوں کے پروگرام سے جب بڑوں کے پروگرام میں آئیں تو پنڈی کی معروف ترین فنکارہ بن گئیں۔ پھر حالات و واقعات نے ان کو کراچی پہنچا دیا اور انہوں نے پی۔ آئی۔ اے (PIA) آرٹس اکیڈمی جوائن کر لی اور اکیڈمی میں رہ کر وہ پاکستانی ثقافتی وفد کے ہمراہ وہاں وہاں ہفتوں رہیں جہاں پاکستانی سفارتخانہ تک نہ کھلا تھا۔ اس طرح دنیا گھومنے' دنیا دیکھنے کے بے شمار مواقع ان کو میسر آئے۔ ایک لڑکی کا گھر سے باہر قدم نکالنا اور وہ بھی اس انداز سے' پورے خاندان میں ان کے خلاف محاذ کھل گیا لیکن یہ مخالفتیں ان کی راہ میں مزاحمت نہ کر سکیں اور جوانی کی طاقت زمانے کی طاقت سے نبرد آزما ہو گئی۔ دوران سروس میں وہ جو ڈرامے کرتی تھیں' ان کے لئے پی۔ ٹی۔ وی باقاعدہ PIA سے اجازت لیتا تھا۔ انہوں نے ٹی۔ وی پر کئی مشہور سیریل کیں۔ وہ کافی عرصہ غائب رہ کر دوبارہ اسکرین پر آ جاتی تھیں۔ اس دفعہ پھر پروڈیوسر کو ایمرجنسی میں ان کی ضرورت پڑ گئی۔ پروڈیوسر کالیں دیتے رہے اور وہ ایمرجنسی میں بھی دستیاب نہ ہوئیں۔

اللہ نے ہر انسان کے اندر ایک زندہ انسان پیدا کیا ہے اور وہ اس کا ضمیر ہے۔ وہ ضمیر جو کبھی نہ کبھی ضرور آوازیں دیتا ہے۔ کسی نہ کسی مقام پر ضرور بیدار ہوتا ہے' سیدھے راستے پر رہنمائی کرتا ہے اور غلط روی پر ملامت کرتا ہے —— اگر انسان اس کو تھپک تھپک کر سلا نہ دے' اپنے اندر کی آواز کو اپنے باہر کے شور میں دبا نہ دے۔ اگر اس لمحے وہ ضمیر کی آواز پر کان دھر لیتا ہے اور سچائی کی پکار سن لیتا ہے' تو اسے سچائی کا پتہ چل جاتا ہے۔ سحر جلال کی زندگی میں بھی وہ لمحہ آچکا تھا جب انہوں نے یہ جان لیا تھا کہ:

گلیمر کی یہ دنیا سراب ہے' انسان جتنا آگے بڑھے تشنگی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ یہاں بہت کچھ کھو کر جو چند کھوٹے سکے ملتے ہیں ان کی اللہ کے ہاں کوئی قدر نہیں۔ یہاں کے شور اور ہنگامے انسان کے اندر کے انسان کو سلا دیتے ہیں۔ یہاں ہر دم قہقہے لگانے والے' لاٹوں کے درمیان رہنے والے اپنے اصلی روپ کے اوپر ایک اور مصنوعی روپ سجانے والے درحقیقت اندر سے بڑے اداس' بڑے تنہا' بڑے ویران اور بہت ٹوٹے ہوئے لوگ ہیں۔

"اور بلاشبہ پکارنے والا جب پکارتا ہے تو وہی ہے جو دلوں کی پکار سنتا ہے اور جواب دیتا ہے' جو شکستہ دلوں کا قرار ہے اور درحقیقت دلوں کو اطمینان تو اللہ ہی کے ذکر سے ہوتا ہے۔" سحر جلال نے درس قرآن کے اجتماعات میں جانا شروع کر دیا۔ قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کرنا شروع کر دی کہ سیدھا راستہ' سچا راستہ' صراط مستقیم کہیں ہے تو وہ یہیں ہے۔ ان کو اللہ نے توفیق دی کہ وہ سیدھا اور سچا راستہ انہوں نے دیکھا' اور یہ کہ وہ سچائیوں کو جان کر اور حقیقتوں کو پہچان کر اپنی اصلاح بھی کریں اور اس مقصد حیات کے شعور کو آگے بھی منتقل کریں۔ انہوں نے اسلام آباد اور پنڈی کے اسکولوں میں باقاعدہ درس قرآن وحدیث دینا شروع کر دیا ہے۔ وہ قرآن و حدیث سے اخلاقیات کے درس تیار کرتی ہیں۔ SLC سکول میں باقاعدہ درس دیتی ہیں۔ اسکول کی انتظامیہ نے ان کے جذبے سے متاثر ہو کر ہفتہ میں ایک پیریڈ درس و تبلیغ کے لئے مختص کر دیا ہے۔ وہ آرمی سکول' فوجی فاؤنڈیشن اسکول اور گرائمر اسکول میں بھی درس دین دیتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ "ان راستوں پر بھی انہیں بہت دکھ اٹھانے پڑتے ہیں۔ لوگوں کی طرف سے بہت طنز و استہزاء کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بہت سے لوگ ان کے اس مشن کی مخالفت کرتے ہیں لیکن وہ اس بات پر یقین رکھتی ہیں کہ "سفر ہے شرط۔۔۔۔"

درس دیتے دیتے وہ آبدیدہ ہو جاتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ "جتنی مشکل وہ دنیا تھی اس سے زیادہ مشکلات اس راستے پر ہیں۔" بقول ان کے کہ انہوں نے اپنے آپ کو حالات کی بھٹی میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ اپنی ذات کی تطہیر اور معاشرے کی اصلاح کوئی آسان کام نہیں ہے' بظاہر یہ نیک کام ہے لیکن جو اس مشن کو لے کر چلتا ہے اس کے راستے میں کیسے کیسے روڑے اٹکائے جاتے ہیں' کیسی کیسی مشکلات پیدا کی جاتی ہیں؟ یہ اس راہ کے راہی ہی جانتے ہیں۔

وہ ہر صورت میں اپنی سابقہ زندگی کی تلافی کرنا چاہتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ "اس بھٹی میں سلگتے سلگتے اگر میں اپنے رب سے جاملوں اور کامیاب ہو جاؤں' تو میں سمجھوں گی کہ میں نے کچھ نہیں کھویا' یہی کسک ان کا قیمتی سرمایہ ہے۔

نئی نسل جس طرح گلیمر کی دنیا کی طرف بھاگ رہی ہے اس پر انہیں بہت ملال ہے۔

اسی لئے انہوں نے اسکولوں کو ٹارگٹ بنایا ہے اور وہاں جا جا کر وہ بتا رہی ہیں کہ یہ سب دھوکا ہے' بہت لمبا اور تھکا دینے والا سفر ہے لیکن آخر میں سب کچھ سراب ہوتا ہے۔ کوئی بھی تقریب ہو' ان کی گفتگو کا موضوع یہی ہوتا ہے کہ نئی نسل کو عریانی اور فحاشی کا جو سیلاب بہائے لے جا رہا ہے اس کے آگے بند کیسے باندھا جائے۔ وہ کہتی ہیں کہ "میں اپنے تلخ تجربات و مشاہدات سے دوسروں کی زندگی کو ترتیب دینا چاہتی ہوں۔ انہیں ان سرابوں کی حقیقت بتانا چاہتی ہوں جن میں نوجوان اپنی زندگیاں برباد کر رہے ہیں' داؤ پر لگا رہے ہیں۔"

وہ کل بھی بے کل تھیں اور آج بھی بے کل ہیں' کل حقیقتوں کی تلاش میں اور آج حقیقتیں منکشف ہو جانے پر۔ وہ کہتی ہیں کہ "اگر میں اپنی تمام کوششوں سے کسی ایک فرد کو بھی اس راستے پر جانے سے روک سکوں تو یہی میری پچھلی زندگی کی تلافی ہو گی' ان شاء اللہ!"

میرا خیال ہے کہ سحر صدیقی' سیدہ زاہدہ اور پھر سحر جلال جیسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے' گھٹا ٹوپ اندھیروں میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ بجھائی نہ دے ان روشنیوں کو عام کرنے کی ضرورت ہے اور دنیا کو نمود و نمائش اور کھوٹے سکوں سے بچانے کی ضرورت ہے اور جو آخرت کے خریدار ہیں' جو حق کے داعی ہیں وہی ہمارا سرمایہ حیات ہیں۔ اس بھٹکتے ہوئے معاشرے کو ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے۔ ایسے ہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندہ مومن کی اذاں سے پیدا

(تحریر: محترمہ افشاں نوید)

✪ ✪ ✪

زندگی کی طرف واپس آنے والے!

"کل میں نے ڈھیر سارے نئے کپڑے خریدے۔ نئی پتلونیں' نئے اسکرٹ' نئے بلاؤز' نہ جانے کیا کیا۔ رات کو تھک ہار کر واپس آئی اور تازہ خریداری کو دوبارہ کھول کر دیکھے بغیر ہی سو گئی۔ آج صبح اٹھی' منہ ہاتھ دھوتے دھوتے وضو ہی کر ڈالا اور پھر جی میں آئی کہ چلو' آج نماز بھی پڑھ ڈالو۔ میں نے پورے التزام سے سر ڈھانپا اور نماز شروع کر دی۔ نماز کے بعد وہیں بیٹھے بیٹھے کل کے خریدے ہوئے پیکٹ کھولنا شروع کئے اور سارے کپڑے باری باری دیکھنا شروع کئے۔ کپڑے مجھے کچھ عجیب و غریب سے لگے۔ اسکرٹ گھٹنوں سے اوپر تک تھے' شرٹس اور بلاؤز وغیرہ آدھے سے بھی کم۔ میں بڑی دیر تک ان کپڑوں میں اپنے سراپے کا جائزہ لیتی رہی۔ سر ابھی تک نماز والے دوپٹے سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس جائزے کے دوران میں موذن کی آواز سنائی دی۔ صبح سے بیٹھی تھی' ظہر ہو گئی۔ مجھے اچنبھا سا ہوا لیکن مزید حیران ہوئے بغیر میں دوبارہ اذان کی طرف متوجہ ہوئی۔ اذان کے الفاظ دل میں اترتے چلے جا رہے تھے۔ اذان ختم ہوئی تو میں بے اختیار اٹھی اور ظہر کی نماز کے لئے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے نیت باندھ لی۔ نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو میری زبان سے ایسی دعا کے الفاظ ادا ہونے لگے جو نہ میں نے پہلے کہے تھے نہ سنے تھے۔ میں بلا ارادہ مگر پورے ہوش و حواس سے ایک ایک لفظ کا معنی سمجھتے ہوئے کہہ رہی تھی: "رَبِّ اِنِّیْ فقیر ة لها انت في غني عنه" (پروردگار! میں اس چیز کی از حد محتاج ہوں جس سے تو بالکل بے نیاز ہے) میں کہے جا رہی تھی اور روئے جا رہی تھی۔ آنسو تھمنے سے پہلے ہی میں یہ قسم کھا چکی تھی کہ جو دوپٹہ نماز کے لئے اوڑھا ہے وہ اب کبھی نہیں اترے گا۔ میں نے کل خریدے ہوئے تمام ملبوسات ایک طرف رکھے اور ایک نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔"

یہ روداد ہے مصر کی مشہور ۳۴ سالہ اداکارہ فریدہ سیف النصر کی' جس نے بیسیوں فلموں' سٹیج ڈراموں اور ٹی۔ وی ڈراموں میں حصہ لیا' فلمی دنیا میں صف اول کی اداکاراؤں میں شامل ہوئی' ہر طرح کے کردار ادا کئے' لیکن دل کی دنیا بدلی تو چند ثانیوں میں گزشتہ ساری زندگی پر ندامت ہونے لگی اور دل میں ایک ہی جوت جاگ اٹھی کہ کس

طرح سے اپنی سابقہ زندگی کا کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے' کس طرح سے خود کو ایک بدلا ہوا انسان ثابت کر کے اللہ کی رضا کا حق دار ہوا جا سکتا ہے؟

فریدہ اس نئے سفر میں تنہا نہیں ہے' گزشتہ تھوڑے ہی عرصہ میں عالم عرب کی اور خاص طور پر مصری اداکاراؤں کی ایک بڑی تعداد فلموں سے توبہ کر کے اسلامی تہذیب اپنا چکی ہے اور عریانی و اخلاقی انحطاط کی تاریکیوں سے نکل کر نور ہدایت میں آ چکی ہے۔ جس ہفتے میں فریدہ نے توبہ کی' عین اسی ہفتے میں مصری سینما کی چوٹی کی دو اداکاراؤں سہیر رمزی اور سحر حمدی نے بھی اس عالم تاریک کو خیرباد کہنے کا اعلان کرتے ہوئے پردہ اختیار کر لیا۔ سہیر رمزی کا کہنا ہے کہ "گزشتہ تقریباً ایک سال سے وہ اسی شش و پنج اور سوچ بچار میں تھی کہ اس عذاب سے کیسے نجات حاصل کروں؟ اللہ کا شکر ہے کہ اب مسلسل عذاب کا یہ طوق میری گردن سے نکل چکا ہے۔"

واضح رہے کہ سہیر ماضی کی وہ اداکارہ ہے جس نے اپنی فلمی زندگی میں ہر طرح کے فضول کردار اپنائے۔ اعلان توبہ کے وقت بھی وہ ایک ٹی۔ وی سیریل "مجلس محبت" میں بنیادی کردار ادا کرنے کی تیاریوں میں تھی۔ اس ڈرامے میں اسے اپنے آخری خاوند فاروق الفیشانی (جن سے وہ ایک سال قبل طلاق لے چکی تھی) کے ساتھ کام کرنا تھا۔ مگر ڈرامے کی ریکارڈنگ شروع ہونے سے قبل ہی دنیائے دل تبدیل ہو گئی اور اس نے فلمی دنیا کے تمام کنٹریکٹ منسوخ کر دیئے' نہ صرف یہ بلکہ اپنی سابقہ زندگی سے متعلق کوئی گفتگو یا انٹرویو دینے سے بھی منع کر دیا۔ سہیر رمزی نے توبہ کے بعد مختصر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ "فلمی ستاروں میں شمولیت' شہرت کے آسمانوں کو جا چھونا یا دولت کے انبار لگا لینا یہ سب کچھ خاک میں مل جاتا ہے' باقی رہ جانے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ میں اب صرف اسی کی رضا کی طالب رہوں گی۔"

سحر حمدی مصری گلیمر کی ایک بہت معروف رقاصہ تھیں۔ انہوں نے بھی اب اپنی سابقہ زندگی سے برات کا اعلان کر دیا ہے اور سہیر کی طرح رضائے الٰہی کی طلب میں مصروف ہیں۔ توبہ کرنے والی فنکاراؤں نے ایک روایت قائم کر لی ہے کہ جب بھی کوئی نئی ساتھی ان کے ساتھ آ ملے وہ اس کے اعزاز میں ایک پروگرام ترتیب دیتی ہیں' جس میں

پورے قرآن کریم کی اجتماعی تلاوت ہوتی ہے اور آنے والی تائبہ ساتھی کا استقبال کیا جاتا ہے۔ یہ تمام گروپ مل کر مختلف علمائے کرام کے لیکچر سنتی ہیں اور مشہور قاری شیخ خلیل الحصری کے نام سے منسوب الحصری مرکز میں باقاعدہ اجتماعات منعقد کر کے اسلامی تعلیمات سے روشناس ہوتی ہیں۔ اس مرکز میں ہفتے میں دو بار خواتین کے پروگرام ہوتے ہیں' جن سے مشہور علمائے کرام محمد الغزالی' اسماعیل صادق جیسے اساتذہ خطاب کرتے ہیں اور محترمہ زینب الغزالی بھی اکثر پروگرام میں شرکت کرتی ہیں۔

مشہور مغنیہ یاسمین الخیام سے توبہ کے بعد پوچھا گیا کہ تھوڑے ہی دنوں میں آپ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد توبہ کر چکی ہے' اس پر آپ کو حیرت نہیں ہوئی؟ یاسمین نے ایمان تازہ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا: "نادان بچہ اگر روٹھ کر شفیق ماں کی آغوش سے دور چلا جائے تب تو حیرت ہو! لیکن اگر وہی بچہ ماں کی گود میں واپس آجائے تو اس پر حیرت کیسی؟"

اب تک توبہ کرنے والی اداکاراؤں میں جو نام سامنے آئے ہیں' ان میں چند بڑے بڑے نام یہ ہیں: مدیحہ کامل' لیلیٰ طاہرہ' سوسن بدر' شہیرہ' شادیہ' عفاف شعیب' شمس البارودی' نسرین' امیرہ' ہالہ فواد' ہالہ الصافی' مدیحہ حمدی' کیلینا الغزالی' عبدالرزاق اور ھنا' ثروت۔ ان اداکاراؤں' رقاصاؤں اور مغنیات کے علاوہ اب حال ہی میں ایک فلم پروڈیوسر ماجدہ حمید بھی پردہ اپنا چکی ہیں۔ ان کے علاوہ ایک لبنانی مغنیہ طروب بھی اس چکا چوند عالم تاریکی سے نکلنے کا اعلان کر چکی ہیں۔ مصری فلمی "صنعت" کی ان بہت ساری خواتین کے ساتھ کئی مرد اداکار بھی اسلامی تہذیب اپناتے ہوئے اختلاط و فساد کی دنیا سے نکل رہے ہیں۔

قرآن کریم نے سابقہ اقوام کا ذکر کرتے ہوئے جس قوم کا بار بار ذکر کیا ہے وہ اسی سرزمین سے تعلق رکھتی تھی۔ اس قوم بنی اسرائیل نے شر اور بدی کی انتہا فرعون کو بھی دیکھا اور اس کے ظلم و ستم سہے' اور اس کے مدمقابل خیر و حق کی لازوال مثال موسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا اور ان پر ایمان لا کر فرعون کے مظالم سے نجات پائی۔

ان سے پہلے سیدنا یوسف علیہ السلام جیسے جمال و عدل کے پیکر بھی اسی سرزمین میں پیدا ہوئے۔ تاریخ اسلام میں حکومت عباسیہ کا تخت بھی یہیں سجا اور خلافت عثمانیہ میں بھی

مصر ہی کلید اقتدار رہا۔ دور حاضر میں حسن البناء شہید اور سید قطب شہید جیسے داعیان حق بھی اسی خاک سے اٹھے اور جمال عبدالناصر جیسے سفاک داعیان و قوم پرست یہیں فرعونیت کے زعم میں مبتلا ہوئے۔ اب اس وقت بھی مصر ہی تمام عرب ممالک میں اسلامی تحریکوں کے وجود کا مرکز و محور بلکہ قائد ہے اور مصری ثقافت و تفریح کے نام پر پوری عرب دنیا میں اباحیت کا منبع اور پرچارک بھی' لیکن حالیہ تبدیلیاں مکمل و وسیع تبدیلی کی خبر دے رہی ہیں' ان شاء اللہ! (ماخوذ)

○ جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

"رائل پارک جانے کی غلطی میں بھی کر چکی ہوں"

(یہ فیصل آباد سے تعلق رکھنے والی ایک گمنام خاتون کی کہانی ہے جو وی۔ سی۔ آر پر فلمیں دیکھتے دیکھتے فلموں میں کام کرنے کے شوق میں رائل پارک پہنچ گئی تھی۔ پھر یہ خاتون "فلمی دنیا" میں Adjust ہونے سے کس طرح بچیں اور کیسے محفوظ طور پر واپس گھر پہنچیں' یہ معلوم کرنے کے لئے ان کی اپنی بیان کردہ یہ کہانی ذیل میں مطالعہ کیجئے! اس آرٹیکل کے مطالعہ سے جہاں فلمی دنیا سے وابستہ خرافات اور ہر قسم کی گندگی سامنے آتی ہے وہیں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ فلمی دنیا کس طرح سے ہماری نسل خصوصاً نوجوان لڑکے اور لڑکیوں پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ ہماری فلمیں درحقیقت لوگوں کے ایمان واخلاق اور دینی وابستگیوں کو تباہ و برباد کرنے میں بہت کردار ادا کر رہی ہیں۔ اس مضمون کو لکھنے والی گمنام خاتون نے آغاز میں "میں نے اداکاری کیوں چھوڑی؟" کے عنوان سے سابق اداکارہ راحیلہ آغا کے جس مضمون کا حوالہ دیا ہے' وہ اس Article کے بعد آرہا ہے —— مرتین)

"میں نے جب "خواتین میگزین" میں "میں نے اداکاری کیوں چھوڑی؟" کے عنوان سے راحیلہ آغا کا انٹرویو پڑھا' تو اس میں مجھے دو باتوں نے چونکا کر رکھ دیا۔ ایک تو فلم "بارود کا تحفہ" اور دوسرا فلمساز رانا طارق مسعود' دراصل میری زندگی میں یہ دو نام بہت اہم ہیں۔ میں نے ضروری سمجھا کہ میں وہ واقعہ جس کی وجہ سے آج یہ زندگی گزار رہی ہوں ضرور لکھوں' خصوصاً ہماری وہ نوجوان لڑکیاں جو شوبز کی چکاچوند سے متاثر ہو کر اپنی زندگی برباد کرنے یہاں چلی آتی ہیں' شاید ان کے لئے میری یہ تحریر مشعل راہ ہو'

ان شاء اللہ! واقعہ درج ذیل ہے:

اس دن ہمارے گھر میں خوشی کی انتہا نہ رہی جب میرا بڑا بھائی روزگار کے لئے ملک سے باہر گیا اور پھر چند ماہ بعد ہی ہمارے گھر میں ہماری ضروریات سے زیادہ پیسے آنے شروع ہو گئے۔ پہلے ہم تین وقت کے کھانے کو ترستے تھے مگر اب انواع واقسام کے کھانے ہر وقت ہمارے گھر میں پکتے تھے۔ تمام رشتہ دار ہمارے گھر کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ میرے والدین کے علاوہ ہمارے گھر میں ہم تین بھائی اور چار بہنیں تھیں۔ میں بہنوں میں سب سے بڑی تھی۔ میرے والد ایک ریٹائرڈ سکول ماسٹر تھے۔ ان کے کندھوں پر ہم سب کا بوجھ تھا۔ جیسے تیسے کر کے انہوں نے ہمارے بڑے بھائی کو باہر بھجوا دیا' اس دن ہمارے گھر میں سب پھولے نہیں سما رہے تھے۔ جب دو سال بعد بھائی چھٹی پر گھر واپس آئے' تو اپنے ساتھ بڑا ٹیپ ریکارڈر' وی۔ سی۔ آر' رنگین ٹیلی ویژن' فریج اور کئی دوسری چیزیں لے کر آئے۔ اب کیا تھا! ہم تھے اور وی۔ سی۔ آر پر انڈین فلموں کی بھرمار' تبصرے تھے تو انڈین اداکاراؤں اور اداکاروں کے۔ ہر جگہ' ہر خاندانی فنکشن میں یہی اداکاروں کے تذکرے تھے۔ آخر میرے دل میں بھی ایک کامیاب ترین اداکارہ بننے کا خیال سمایا۔ یہ خیال تقویت اختیار کر کے ارادہ بن گیا اور پھر میں نے نہایت سوچ بچار کے بعد ایک کامیاب اداکارہ بننے کے لئے ہر رسک لینے کا فیصلہ کر لیا۔ جب میں نے اس کا ذکر اپنی چند قریبی سہیلیوں سے کیا تو انہوں نے مجھے بہت سمجھایا مگر مجھ پر ایک ہی بھوت سوار تھا' اور پھر ایک رات میں نے گھر سے زیورات اور نقدی (جو قریباً دو لاکھ روپے بنتی تھی) اٹھائی اور لاہور کے سفر پر روانہ ہو گئی۔ مجھے یہ یاد تھا کہ لاہور کے لکشمی چوک میں فلم کے بڑے بڑے دفتر قائم ہیں اور پھر میں نے اخبارات میں بھی ان کے بارے میں پڑھا ہوا تھا۔ لاہور پہنچ کر میں لکشمی چوک میں چلی گئی اور وہاں پر رائل پارک کی گلیوں میں گھوم پھر کر فلمی دفاتر کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ مجھے اس طرح گلیوں میں پھرتے دیکھ کر چند اوباش غنڈے میرے پیچھے لگ گئے۔ میں ان کے آگے تیز تیز چلتی ہوئی ایک بلڈنگ میں داخل ہو کر بلا سوچے سمجھے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ آخری منزل پر سیڑھیوں کے ساتھ ہی مجھے ایک فلمی دفتر پر بڑا سا نام "بارود کا تحفہ" لکھا ہوا ملا اور میں گھبرائی گھبرائی سی اس دفتر میں داخل ہو گئی۔ وہاں میں نے

چپڑاسی سے پوچھا کہ مجھے اس فلم کے فلمساز (جس کا نام میں پڑھ چکی تھی) رانا طارق مسعود صاحب سے ملنا ہے۔ اس نے مجھے بٹھایا اور دفتر کے ساتھ والے کمرے میں اس نے رانا صاحب کو بتایا کہ کوئی خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں۔ رانا صاحب نے اسے کہا کہ اندر بھیج دیں۔ میں سہمی سہمی' ڈری ڈری سی اندر چلی گئی۔ سامنے ایک نوجوان جس کے چہرے پر ہلکی ہلکی داڑھی تھی' بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ آیئے! تشریف رکھیئے۔ میں خوفزدہ سی بیٹھ گئی۔ پھر میں نے اسے کہا کہ مجھے فلمساز رانا طارق مسعود سے ملنا ہے۔ اس نے کہا کہ فرمایئے! میں ہی رانا طارق مسعود ہوں۔ میں بہت حیران ہوئی' میرے ذہن میں تو فلم پروڈیوسر کا نقشہ ہی کچھ اور تھا کہ تھری پیس سوٹ میں ملبوس' متکبر چالیس پینتالیس سالہ لمبا تڑنگا سا کوئی شخص ہو گا جو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر میری طرف دیکھے گا مگر یہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ ابھی تک سامنے بیٹھے شخص نے میری طرف ایک دفعہ آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ غالباً کوئی اسکرپٹ پڑھنے میں مشغول تھا۔ میں الجھے الجھے اور ملے جلے سے خیالات کے ساتھ وہاں بیٹھی دیوار پر لگے ہوئے بڑے بورڈ پر لگی فلم "بارود کا تحفہ" کی تصاویر دیکھ رہی تھی۔ اب میں سوچ رہی تھی کہ اس شخص کو کس طرح قائل کروں گی؟ اتنے میں انہوں نے نگاہیں نیچے رکھے ہی مجھ سے پوچھا کہ محترمہ! فرمایئے' آپ کس کام سے یہاں تشریف لائی ہیں؟ پہلے تو میں جھجکی مگر فوراً ہی میں نے اپنا اصل مدعا ان کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا کہ میں فلموں میں کام کر کے ایک کامیاب ہیروئن بننا چاہتی ہوں۔

میری بات سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ میں ان کے جواب کا انتظار کر رہی تھی کہ اتنے میں دفتر کا چپڑاسی میرے لئے کولڈ ڈرنک لے آیا اور میرے سامنے رکھ دی۔ رانا صاحب نے اسے کہا کہ جاؤ اور پر تکلف چائے لے کر آؤ۔ میں یہ بات سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی کہ دال گلتی نظر آتی ہے۔

تھوڑی دیر بعد رانا صاحب پھر مخاطب ہوئے اور پوچھنے لگے کہ آپ کو فلمی ہیروئن بننے کا شوق کیسے پیدا ہوا؟ میں نے ان کو بتایا کہ میرے بھائی جان کچھ عرصہ قبل گھر میں بیرون ملک سے وی۔ سی۔ آر لے کر آئے' میں نے اس پر بے شمار فلمیں دیکھی ہیں۔ مجھے سری دیوی اور بابرہ شریف بہت پسند ہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ میں بھی ان کی طرح ہیروئن

بن کر دنیا میں اپنا نام پیدا کروں۔

"کبھی آپ نے سوچا ہے کہ فلم کی سکرین پر جب آپ اچھل کود کر رہی ہوں گی تو آپ کے ماں باپ اور بہن بھائیوں پر کیا بیتے گی؟" رانا صاحب نے چبھتا ہوا سوال کر ڈالا۔ مگر میں کہاں شکست ماننے والی تھی۔ میں نے فوراً جواب دیا کہ میں تمام کشتیاں جلا کر آئی ہوں۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی شوق کی تکمیل کے لئے قربانیاں تو دینا ہی پڑتی ہیں۔

"تو گویا آپ اس شوق پر اپنے والدین کی عزت اور غیرت کو قربان کرنے سے بھی گریزاں نہیں۔" رانا صاحب کے اس سوال نے میرے اندر کی ضد کو ہوا دی۔

میں نے بڑی ڈھٹائی سے کہا کہ کچھ حاصل کرنے کے لئے بہت کچھ کھونا پڑتا ہے اور پھر مجھے یقین ہے کہ میں جب پردہ سیمیں کی ایک بڑی ہیروئن بن جاؤں گی اور میرے پاس دولت کی ریل پیل ہوگی تو بالیقین میرے گھر والے مجھ پر فخر کریں گے۔ میری یہ بات سن کر رانا صاحب نے ایک سرد آہ بھری اور کہنے لگے:

"تو گویا فلمی ہیروئن بننے کے لئے آپ ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار ہیں۔"

میں نے پر عزم ہو کر کہا:

"کیوں نہیں' میں اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے راستے میں پڑے ہوئے کانٹے بھی اپنی پلکوں سے چن لوں گی۔"

"بہت خطرناک ارادے لگتے ہیں آپ کے۔" رانا صاحب گویا ہوئے۔ اتنے میں لڑکا پر تکلف لوازمات کے ساتھ چائے لے کر آگیا۔ میں چائے بنانے لگ گئی۔ جب چائے بن گئی تو میں نے رانا صاحب سے کہا کہ آپ بھی اپنی سیٹ کو چھوڑ کر یہاں میرے ساتھ آکر چائے پئیں۔ میں حیران تھی کہ میرے اندر یہ جرأت کیسے پیدا ہو گئی کہ میں اتنی بے باکی سے ہر بات کر رہی تھی۔ رانا صاحب اٹھ کر آگئے اور میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ گفتگو کرنے لگے۔ دوران گفتگو میں انہوں نے غیر محسوس انداز میں مجھ سے یہ بات اگلوائی کہ میرا تعلق کس شہر سے اور کس گھرانے سے ہے۔ پھر انہوں نے مجھے روشنیوں کی اس دنیا کی تاریکی کے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔ انہوں نے بتایا: "فلم انڈسٹری میں بہت سے ایسے لوگ اور گروہ بھی موجود ہیں جو اس تاڑ میں لگے رہتے ہیں کہ

جو لڑکیاں فلم میں کام کرنے کے شوق میں گھر سے بھاگ آتی ہیں' ان کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے روشن مستقبل کے سنہرے سپنے دکھا کر یہ یقین دلا دیتے ہیں کہ ان کے خوابوں کی تعبیر صرف ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ سب سے پہلے تو وہ ان سے وہ مال بٹورتے ہیں جو وہ گھروں سے لے کر آئی ہوتی ہیں' پھر چند دن ان کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ اس کے بعد پہلے تو بہلا پھسلا کر خود ان کی عزت سے کھیلتے ہیں اور پھر ان کو مجبور اور بلیک میل کر کے دوسرے لوگوں کو پیش کرتے ہیں۔ اس طرح وہ قوم کی بیٹیوں کی آبرو کو نیلام کر کے اپنا کاروبار چلاتے ہیں۔ پھر وہ لڑکیاں نہ گھر کی رہتی ہیں نہ گھاٹ کی بلکہ ایک مجبور و بے کس کٹھ پتلی کی طرح ان کے حکم کی غلام بن کر رہ جاتی ہیں۔" رانا صاحب یہ باتیں کر رہے تھے مگر مجھ پر ان کی کسی بھی بات کا اثر نہ تھا اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس شخص کو سیڑھی بنا کر منزل پا لوں گی۔

ان باتوں کے دوران میں رانا صاحب نے ایک ایسے گروہ کا بھی بتایا کہ وہ لوگ لڑکیوں کو بہلا پھسلا کر فلم میں کام دینے کا لالچ دے کر سٹوڈیو میں لے آتے ہیں اور پھر زبردستی ان کی انتہائی گری ہوئی اخلاق سوز فلمیں بنا کر ان کو تمام زندگی بلیک میل کرتے ہیں۔

"اب تم بتاؤ کہ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" ایک لمحے کے لئے تو میں چونکی' پھر میں نے گھر کے بارے میں سوچا کہ اگر میں واپس بھی جاؤں تو گھر والے مجھے مار ڈالیں گے۔ میں نے رانا صاحب کو بتایا کہ میں ہر قیمت پر فلموں کی کامیاب ہیروئن بننا چاہتی ہوں۔ رانا صاحب کہنے لگے: "تمہاری مرضی' مگر تم تو لاہور سے باہر کے شہر کی ہو۔ اس لئے تمہاری رہائش کا مسئلہ کیسے حل ہو گا؟" میں نے اپنا پرس کھول کر ان کے سامنے ڈھیر کر دیا' جس میں دو لاکھ روپے اور گھر کے تمام زیورات تھے۔ میں نے رانا صاحب سے کہا کہ "یہ رقم رکھ لیں اور میرے لئے کسی فلیٹ کا بندوبست کر دیں۔ میں وہاں رہ لوں گی۔ آپ بھی میرے ساتھ رہا کریں کیونکہ میں اکیلی لڑکی پورے فلیٹ میں نہیں رہ سکتی۔" دل ہی دل میں میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ میں اس شخص کو ہر قیمت پر' ہر طرح سے سیڑھی بنا کر اپنی منزل کو پہنچ جاؤں گی۔

رقم اور زیورات دیکھ کر رانا صاحب نے کہا: "آپ انہیں پرس میں رکھئے اور کسی کو مت بتائیے۔ میں کوئی بندوبست کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر کچھ دیر کی معذرت کر کے وہ دفتر سے باہر چلے گئے اور لڑکے سے کہہ گئے کہ دفتر کے اس کمرے میں کسی کو مت آنے دینا۔ لڑکا برتن اٹھا کر چلا گیا اور میں اٹھ کر بڑے غور سے دیوار پر آویزاں فلم کے فوٹو سیٹ کو دیکھنے لگی اور ساتھ ہی ساتھ خود کو ان پوسٹروں پر محسوس کرنے لگی' نیز خیالات میں اپنے اردگرد لوگوں کا رش محسوس کرنے لگی۔ عالم تصور میں مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر شخص میری ایک جھلک دیکھنے کو بے تاب تھا اور آٹوگراف لینے کے لئے بے چین' میں خود پر فخر کر رہی تھی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ میرے آگے پیچھے گاڑیاں ہی گاڑیاں ہیں۔ میرے بنگلے پر پروڈیوسروں کی لائنیں لگی ہوئی ہیں۔ ہر شخص مجھے اپنی فلم میں کاسٹ کرنا چاہتا ہے۔

میں یہی سوچ رہی تھی کہ اتنے میں دروازہ ناک ہوا اور میرا حسین خواب ٹوٹ گیا۔ میں سنبھل کر بیٹھ گئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد گلا کھنکارتے ہوئے رانا صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے بتایا کہ آج ہماری فلم کی شوٹنگ ہے۔ لہٰذا تم بھی ہمارے ساتھ شوٹنگ پر چلو گی اور باقی سلسلہ شوٹنگ سے واپس آکر دیکھیں گے' تم وہاں جا کر دیکھو گی کہ شوٹنگ کیا ہوتی ہے اور کیسے ہوتی ہے؟ اور پھر شوٹنگ بھی آؤٹ ڈور کی ہے۔

میں دل ہی دل میں یہ بات سن کر پھولے میں نہیں سما رہی تھی۔ آج میری برسوں پرانی حسرت پوری ہو رہی تھی۔ منزل بس مجھ سے تھوڑی ہی دور رہ گئی تھی بلکہ میں محسوس کر رہی تھی کہ میں نے منزل کو پا لیا ہے۔ خیر' تھوڑی ہی دیر بعد ایک صاحب آئے اور انہوں نے رانا صاحب کو بتایا کہ نیچے گاڑی تیار ہے۔ باقی یونٹ لوکیشن پر جا چکا ہے' میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ رانا صاحب نے مجھے چلنے کو کہا اور پھر ہم دفتر سے نیچے اتر کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی روانہ ہوئی۔ میں تمام راستہ میں سنہرے مستقبل کے سپنوں میں کھوئی رہی۔ مجھے کوئی ہوش نہ تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ میں تو خود کو بادلوں پر اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ میں اپنی خوش قسمتی پر نازاں تھی کہ مجھے اتنی آسانی سے منزل مل گئی ہے۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ رانا طارق مسعود کی ہر خواہش کا احترام کروں گی' اسے کسی بات سے نہیں روکوں گی۔ یہ الگ بات ہے کہ ابھی تک اس شخص نے مجھ

سے کسی بھی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔

پھر گاڑی جب ایک جھٹکے سے رکی تو میں گاڑی کے باہر دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ یہ تو میرا ہی شہر تھا اور اس شہر کی وہی آبادی تھی جہاں پر ہمارا گھر تھا۔ جہاں ہماری گاڑی رکی تھی اس سے دو گلیاں چھوڑ کر ہی تو ہمارا گھر تھا۔ اب مجھے بہت غصہ آیا۔ میرا جی چاہا کہ میں اس رانا کے بچے کو قتل کر دوں' اس کو کچا چبا جاؤں۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ یہ تو مجھے شوٹنگ دکھانے لایا تھا مگر اس نے یہ کیا کیا؟ مجھے میرے شہر میں بلکہ میرے محلے میں لے آیا ہے۔ اب میں سوچ رہی تھی کہ میرے ماں باپ کو جب پتہ چلے گا' تو ان کی کیا حالت ہو گی! میری ماں تو شاید صدمہ سے مر ہی جائے۔ میرے بھائی مجھے نہیں چھوڑیں گے' وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ میری بہنیں جیتے جی مر جائیں گی۔ میں عجیب ذہنی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اب مجھے احساس ہو رہا تھا کہ گھر سے بھاگ کر میں نے اچھا نہیں کیا۔ اب تک یہ بدنامی میرے گھر کو' میرے خاندان کو تباہ و برباد کر چکی ہو گی کہ اچانک رانا صاحب کی کرخت آواز میرے کانوں میں گونجی (جن کی گفتگو پہلے بڑی ملائم اور لطیف تھی) کہ: "چلو اٹھو! گاڑی سے اترو۔" میں گھبرا کر گاڑی سے نیچے اتری اور پھر وہ ہمارے جاننے والوں کے ایک گھر میں مجھے لے گئے۔ وہ ان کے جاننے والے بھی تھے۔ میں گھر کے اندر گئی۔ انہوں نے مجھے خواتین کے پاس بھیج دیا اور کہا کہ کسی کو مت بتانا' نارمل رہنا۔ میں ڈری' ڈری اور سہمی' سہمی وہاں کمرے میں ٹھہری رہی۔ مجھے وہاں کسی نے بھی کوئی احساس نہ ہونے دیا۔ رانا صاحب' جن کے گھر ہم گئے تھے ان صاحب کو لے کر نہ جانے کہاں چلے گئے اور کوئی ایک گھنٹے بعد واپس آئے اور مجھ سے ملے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ تمہارے والدین اور بہن بھائیوں کو ابھی تک پتہ نہیں چلا۔ تم مسز آصف کے ساتھ اپنے گھر جاؤ۔ یہ خاتون بتا دیں گی کہ تم کو یہ بازار لے گئی تھیں' وہاں دیر ہو گئی۔ میں ڈرتے ڈرتے گھر گئی۔ جیسے ہی میں گھر میں پہنچی' میری ماں میرے گلے لگ کر خوب روئی۔ والد صاحب بھی اندر ہی اندر شدید کرب میں مبتلا تھے۔ سب بہن بھائیوں نے مجھے کچھ محسوس نہ ہونے دیا۔ مسز آصف نے میرے والدین سے کہا کہ میں اسے ایک شادی میں لے گئی تھی اور مجھے افسوس ہے کہ دیر ہو گئی۔

اس رات میں بہت روئی۔ اس اچھے انسان رانا طارق مسعود کی ایک ایک بات یاد

آنے لگی اور میں محسوس کر رہی تھی کہ جیسے وہ شخص مجھے بھیڑیوں کے چنگل سے نکال کر کس حکمت سے گھر میں پہنچا گیا ہے۔ اس نے نہ صرف مجھ پر بلکہ میرے پورے خاندان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور پھر اس کا احساس تک نہیں ہونے دیا۔ گھر میں آنے کے اگلے روز ہی میرے بھائی نے وی۔ سی۔ آر' ٹیلی وژن اور ٹیپ ریکارڈر کو توڑ ڈالا اور پھر گھر والوں نے ایک ماہ بعد ہی میری شادی کر دی۔ میرے شوہر بہت اچھے ہیں۔ وہ انتہائی نیک اور رحم دل انسان ہیں۔ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میرے تین بچے ہیں' ایک بیٹی اور دو بیٹے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں نہایت پر سکون گھر اور خوش گوار ماحول میں رہ رہی ہوں۔ آج بھی جب مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے تو بے اختیار رانا طارق مسعود جیسے نیک شخص کے لئے میرے دل سے دعا نکلتی ہے۔ آج اگر میں خوش و خرم زندگی گزار رہی ہوں تو اس نیک دل اور شریف النفس انسان کی وجہ سے' ورنہ شاید آج میں غلط ہاتھوں میں پہنچ کر نہ جانے برائی کی کس دلدل میں کھو گئی ہوتی یا پھر "اس بازار" میں پہنچ کر اپنے خاندان کی غیرت کا جنازہ بن جاتی۔

میری شادی کے قریباً ایک سال بعد میری ماں نے بتایا کہ رانا طارق مسعود تمہیں آصف صاحب کے گھر میں پہنچا کر آصف صاحب کے ہمراہ ہم سے ملنے آئے تھے اور انہوں نے نہایت پیار سے ہمیں بتایا کہ آپ کی بیٹی الحمد للہ! خیریت سے ہے اور اسی طرح ہماری حفاظت میں ہے جس طرح کہ ہماری سگی بہن ہو۔ مگر تمہارے بھائی نے جب ان سے کہا کہ مجھے بتائیں! وہ کہاں ہے؟ میں اس بے غیرت کو قتل کر دوں گا' تو انہوں نے نہایت حکمت و تدبر اور نرمی سے تمہارے بھائی کو سمجھایا کہ "ابھی تک اس کے جانے کی بات صرف تم لوگوں کو پتہ ہے اور آپ کی عزت اور ناموس محفوظ ہے' جب تم اسے قتل کر دو گے تو یہ بات ہر شخص کی زبان پر ہو گی اور پھر تمہاری دوسری بہنیں جب تھانے کچہری میں لوگوں کے پاس جائیں گی تو کیا ان کی عزت محفوظ رہے گی؟ تو گویا دراصل تمہارا یہ قدم خاندان کی بربادی اور عزت و ناموس کا جنازہ نکالے گا اور پھر یہ وڈیو اور ٹیلی وژن تم نے ہی تو لا کر دیئے تھے' جس پر فلمیں دیکھ دیکھ کر اس پر فلم ایکٹریس بننے کا جنون طاری ہوا۔ سب سے پہلے آپ کو اپنے گھر کی اور اپنی اصلاح کی ضرورت ہے۔ یہ میرا آپ کو مخلصانہ مشورہ ہے'

اگر آپ مجھے اپنا محسن سمجھتے ہیں تو اس لڑکی کو شبہ بھی نہ ہونے دیجئے گا کہ آپ کو اس کے اس عمل کا پتہ چلا ہے' نیز جتنی جلدی ممکن ہو اس کی شادی کر دیں۔" آج جب میں نے راحیلہ آغا کا انٹرویو پڑھا کہ اس نے اداکاری کیوں چھوڑی؟ تو میں سوچ رہی تھی کہ جس اچھے انسان کی فلم میں اس نے کام کیا' واقعی اس کے بعد اسے اداکاری چھوڑ ہی دینی چاہئے تھی۔

آج میرے گھر میں نہ ٹی۔ وی ہے نہ ہی وی۔ سی۔ آر وغیرہ۔ اپنی دینی بہنوں سے میری درخواست ہے کہ وہ اس بات پر ضرور دھیان رکھیں کہ ان کے بچے ٹی۔ وی یا وی۔ سی۔ آر دیکھتے ہیں یا نہیں؟ ان کو ٹی۔ وی وغیرہ بالکل نہ دیکھنے دیں۔ یا ان میں کوئی منفی کردار بننے کا جذبہ پیدا ہو رہا ہو خاص طور پر اپنی بیٹیوں پر پوری توجہ دیں۔ ان میں دین اسلام کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ ان میں حلال و حرام کی تمیز پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ان کے قلب و ذہن میں پردے کا شعور پیدا کریں کیونکہ پردہ عورت کو بہت سی برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔" (ماخوذ)

⊛ ⊛ ⊛

"میں نے اداکاری کیوں چھوڑی؟"

ــــــ راحیلہ آغا (پاکستانی فلموں کی سابق ہیروئن)

"راحیلہ آغا کی والدہ جو کہ فلموں کی مقبول ترین ہیروئن بننے کے لئے فلم انڈسٹری میں داخل ہوئی' مگر باوجود کوشش کے جب وہ خود فلمی ہیروئن نہ بن سکی تو اس نے فلم انڈسٹری ہی کے ایک ٹیکنیشن سے شادی کر لی' ان کے ہاں جب بیٹی پیدا ہوئی تو انہوں نے اس کی تربیت اس انداز سے کی کہ جوان ہونے تک اس کے اندر فلمی ہیروئن بننے کے تمام اوصاف پیدا ہو جائیں۔ جب ان کی بیٹی راحیلہ آغا نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اس کے والدین اسے فلم انڈسٹری میں بھرپور انداز میں لے گئے۔ راحیلہ آغا کی خوبصورتی

فلمسازوں اور ہدایت کاروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ بہت کم عرصہ میں اسے نامور ڈائریکٹروں کے ساتھ کام کرنے کا موقعہ مل گیا۔ لیکن جب وہ کیمرہ کے سامنے آئی تو اس نے اپنے اندر کی عورت کو تڑپتے دیکھا۔ وہ کسی صورت میں بھی فلموں میں کام کرنے پر آمادہ نہ تھی۔ مگر والدین کی سختی نے آخر کار اسے یہ کام کرنے پر مجبور کر دیا۔ کئی ایک فلموں میں کام کرنے کے بعد اسے "جہاد افغانستان" کے موضوع پر بننے والی فلم "بارود کا تحفہ" میں ایک ایسی افغان لڑکی کا کردار ادا کرنے کی آفر ہوئی جس کا باپ وطن کا غدار ہوتا ہے اور وہ باوجود کوشش کے اپنی بیٹی کے دل سے جذبہ حب الوطنی نہیں نکال سکتا۔ آخر کار جب بیٹی کو پتہ چلتا ہے کہ اس کا غدار باپ مجاہدین افغانستان کو کوئی بہت بڑا نقصان پہنچانے کی نیت سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ جا رہا ہے' تو وہ مجاہد کا روپ دھار کر اپنے باپ کے سامنے کلاشنکوف لے کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ جب اس کا باپ اس کے سامنے التجا کرتا ہے اور اسے یاد دلاتا ہے کہ "تم کیا کر رہی ہو! تمہارے سامنے تمہارا باپ کھڑا ہے" تو بیٹی جواب دیتی ہے کہ "کون باپ اور کس کا باپ! جس کا رشتہ دین اور وطن سے نہ رہے اس سے ہر رشتہ ٹوٹ جایا کرتا ہے" اور پھر وہ باپ کو جہنم رسید کر دیتی ہے۔

راحیلہ آغا نے بتایا کہ یہی وہ سین تھا جس کو پکچرائز کرواتے ہوئے میرے دل میں روشنی پیدا ہوئی اور میں نے اپنے ان والدین سے بغاوت کا فیصلہ کر لیا' جو مجھے "عریانیت وفحاشی" کو فروغ دینے کے راستے پر چلنے کے لئے مجبور کرتے تھے۔ اس کے علاوہ فلم کے پروڈیوسر رانا طارق مسعود اور مصنف وہدایت کار سعید رانا کے بلند کردار اور خصوصاً افغانستان میں مجاہد بھائیوں کے رویہ اور حالات نے میرے اس جذبے کو تقویت بخشی۔

بس یہیں سے راحیلہ آغا کی زندگی میں تبدیلی کا آغاز ہوا۔ اس بغاوت کے بعد وہ شادی کر کے اب ایک مومن عورت کی طرح اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ وہ آج کل اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ اٹلی میں مقیم ہیں۔ وہ ایک ماہ کے لئے پاکستان تشریف لائیں تو میں نے ان سے خصوصی ملاقات کی۔ اس ملاقات میں ان کے ساتھ جو گفتگو ہوئی وہ درج ذیل ہے:۔"

سوال: آپ نے فلم انڈسٹری چھوڑنے کا فیصلہ کب اور کیسے کیا؟

جواب: جب میں افغانستان گئی تو مجھے یقین نہیں تھا کہ ہم افغانستان جائیں گے۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں افغان بارڈر کے قریب لے جایا جائے گا لیکن یہ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ ہمیں باقاعدہ افغانستان کے اندر لے جایا گیا۔ وہاں پہلے پہل تو بڑا خوف محسوس ہوا تاہم آہستہ آہستہ یہ کیفیت باقی نہ رہی۔ ہمیں افغانستان میں پانچوں نمازیں ادا کروائی جاتیں۔ صبح درس قرآن ہوتا۔ وہاں میں نے مجاہدین کے ایسے ایسے واقعات سنے کہ ایمان کی عجیب کیفیت خود اپنے اندر محسوس کی۔

افغانستان سے واپسی پر میں فیصلہ کر چکی تھی کہ افغان جہاد پر بننے والی اس فلم کے علاوہ کسی فلم میں کام نہیں کروں گی۔ پھر میں نے شادی کر لی۔ میں نے محسوس کیا کہ ہم لوگ جو زندگی بسر کر رہے ہیں وہ اسلام سے سراسر بغاوت ہے۔ ان ہی دنوں میں مجھے بڑی بڑی آفرز ہوئیں مگر میں نے سب ٹھکرا دیں۔ میں نے سوچا کہ اتنی اچھی سرزمین سے ہو کر آئی ہوں' اگر پھر سابقہ زندگی کی بے ہودگیاں اختیار کر لیں تو یہ شہداء کے خون سے غداری ہو گی۔

سوال: اب آپ کی معروفیات کیا ہیں؟

جواب: اب میں اٹلی میں مقیم ہوں اور میری کوشش ہے کہ میرے بچے دینی تعلیم سے ضرور آراستہ ہوں اور وہ صحیح مسلمان کی زندگی اختیار کریں۔ میرے والدین نے مجھے واپس فلمی دنیا میں لانے کی ہر ممکن کوشش کی' وہ اپنے طور پر بڑے بڑے بزنس سے محروم ہو گئے تھے لیکن فلمی دنیا چھوڑنے کا میرا فیصلہ اٹل تھا اور اب میں بڑی خوشیوں بھری زندگی بسر کر رہی ہوں۔

سوال: کیا آپ اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش سے ہمیں آگاہ کریں گی؟

جواب: میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اپنی پہلی زندگی کا کفارہ اس دنیا میں ادا کر کے جاؤں اور آخرت میں مجھ سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں۔ میری آخری فلم کے پروڈیوسرز کے طرز عمل سے مجھے پتہ چلا کہ انسان کا اس دنیا کی زندگی میں نہایت اہم کردار ہے اور اس کی زندگی بے مقصد نہیں ہے۔ اس مقصد زندگی سے مزید آگہی کے لئے میں اٹلی میں خود بھی دین سیکھ رہی ہوں اور دوسری عورتوں کو بھی دینی تعلیمات سے آگاہ کرتی

ہوں۔

سوال۹: آپ پاکستان کے الیکٹرانک میڈیا کے نئے کردار کو کس نظر سے دیکھتی ہیں؟

جواب۹: آج کل پاکستان ٹی۔ وی جو پالیسی لے کر چل رہا ہے یہ نوجوان نسل کو دین اور اسلام سے دور کرنے کا سبب بن رہی ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اللہ کے سپاہی بننے کی جگہ پر شیطان کے چیلے بن رہے ہیں۔ ٹی۔ وی کے ان بے ہودہ پروگراموں کے خلاف آواز اٹھانا ہر مسلمان مرد و عورت کا فرض ہے۔ قلم اور زبان کے جہاد میں تو جس قدر ممکن ہو ہر مسلمان کو حصہ لینا چاہئے تاکہ اس سیلاب کے سامنے یہیں بند باندھ دیا جائے' قبل اس کے کہ یہ ہم سب کے ایمان کو بہا کر لے جائے۔

سوال۱۰: کیا آپ سمجھتی ہیں کہ فلم انڈسٹری سے کوئی اچھا کام لیا جا سکتا ہے؟

جواب۱۰: فلم انڈسٹری ان لوگوں کے سپرد کر دی گئی ہے جو شیطان کے چیلے اور جہالت کا پلندہ ہیں۔ ان لوگوں نے پیسہ کمانے کے لئے شیطانی ہتھکنڈے اختیار کر رکھے ہیں۔ یہ میڈیا بھرپور قوت کے ساتھ لوگوں پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ ایسے میں لازم ہے کہ اصلاحی فلمیں تیار کی جائیں اور فلمیں ایسے پیش کریں کہ اس سے زندگی کا مقصد اور اسلام کی اہمیت اجاگر ہو۔ یہ فلمیں بچی ہونی چاہئیں۔ نیز جنگلات' پہاڑوں' سمندروں' دریاؤں وغیرہ کی معلوماتی فلمیں دکھائی جائیں۔ موجودہ دور میں ہمارے گھروں کے بیڈ رومز اور ڈرائنگ رومز منی سینما گھر بن چکے ہیں۔ اس سکرین پر جو ہمارے گھر میں موجود ہے ہم اپنی مرضی کے نہیں بلکہ طاغوت کی مرضی کے پروگرام دیکھ رہے ہیں۔ جبکہ بچے کی اولین تربیت گاہ ماں کی گود ہوتی ہے مگر یہ الیکٹرانک میڈیا کا کرشمہ ہے کہ آج ماں کی گود میں پڑا ہوا بچہ بھی طاغوت کی سکرینی درس گاہ (ٹیلی وژن) کا طالب علم ہے اور مائیں بچے کی تربیت کو نہ سمجھتے ہوئے ان کو اکثر ٹی۔ وی کی سکرین کے سامنے لے کر بیٹھ جاتی ہیں یا ان کو ٹی۔ وی کے سامنے چھوڑ دیتی ہیں تاکہ وہ خود اطمینان سے گھریلو کام کر لیں۔ یہی ان ماؤں کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ مستقبل میں اس روش کے جو بہت سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے وہ تو الگ ہیں' مگر ہمیں حشر میں جواب دہی کے لئے بھی تیار رہنا ہو گا۔ میں سمجھتی ہوں کہ آج مسلم معاشرے کو ایک عام اسلامی نظریاتی سکول یا یونیورسٹی جس میں چند سو طلبہ یا طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہوں' اس سے زیادہ ضرورت ایک اسلامک آئیڈیل ٹیلی وژن نیٹ ورک بنانے کی

ہے تاکہ دیگر لوگوں کے علاوہ بالخصوص اسلام کو پسند کرنے والے گھرانوں میں ایک چینل تو ایسا دیکھنے کو ملے جس سے آپ اپنا احتساب یا تزکیہ نفس کرتے رہیں۔ اس سے نہ صرف ہم غیر مسلم معاشروں تک اسلام کا پیغام پہنچا سکیں گے بلکہ ہم اپنے بچوں کو بھی دشمن کے "میڈیا کے دور مار میزائل" کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھ سکیں گے' ان شاء اللہ!

سوال۹: کیا آپ کی طرح دوسری ہیروئینیں بھی دین فطرت کی طرف واپس آ سکتی ہیں یا ایسی کوئی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے؟

جواب: میں پاکستان کی فلم انڈسٹری میں رہی ہوں۔ میں وہاں پر موجود خواتین کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ جب میں فلم انڈسٹری میں کامیابی کی منزلیں طے کر رہی تھی اور میرا مقصد زندگی سینما کی سکرین پر نمبرون بن کر راج کرنا تھا' تب میرے آگے پیچھے میرے اشارے پر جان تک قربان کرنے کے دعوے دار بھی موجود تھے اور والدین کی شفقت بھی حاصل تھی' میں تب بھی اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ سب کچھ حاصل کر کے میں اپنا بہت بڑا نقصان کر رہی ہوں۔ یہی کیفیت میرے ساتھ کام کرنے والی دوسری ہیروئینوں کی تھی۔ جب ہم آپس میں بیٹھتیں تو ان خواتین پر حسرت کیا کرتی تھیں جو چادر اور چاردیواری کے تحفظ میں ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی کہ کاش! ہمارا بھی کوئی گھر ہو' ہمارا بھی ایسا شوہر ہو جو اس گھر میں ہمیں چادر اور چاردیواری کا تحفظ دے سکے۔ آپس میں ہماری گفتگو کا حاصل یہ ہوتا کہ ہم دوسروں کی خواہش پر یا حادثاتی طور پر زندگی کی جو راہ اپنا چکی ہیں' اس میں ہمیں کوئی بھی چادر اور چاردیواری کا تحفظ دینے کو تیار نہیں۔ بس یہی چیز ہمیں شکست خوردہ کر کے ایک اچھے اور صحیح راستے پر چلنے سے روک دیتی۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ آج بھی کسی فنکارہ کو چادر اور چاردیواری کے تحفظ کا بھرپور یقین دلایا جائے اور اسے دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی جائے' تو آپ محسوس کریں گی کہ وہ شاید اسی دن کے انتظار میں تھی۔ اگر ہم اس طرف تھوڑی سی توجہ دیں' تو ہمیں مایوسی نہیں ہو گی' ان شاء اللہ! آپ یہ مت سمجھیں کہ آپ ایک فلم کی سکرین پر صرف ایک ہیروئن کو دیکھ رہے ہیں تو وہ فرد واحد ہے' جب آپ اس کا پورا جائزہ لیں گے تو آپ کو اس کے پیچھے اس کا رشتہ دار' عزیز یا کوئی بڑی مونچھوں والا پٹھان اس کی خواہش کے خلاف یہ سب کام اس سے بزور کراتے ہوئے

نظر آئے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی شہرت اور دولت کے نشے کے "سرور" میں اس زندگی کی عادی ہو جائے۔

سوال: پردے کے بارے میں آپ کے تاثرات کیا ہیں؟

جواب: بات یہ ہے کہ جب میں فلم میں کام کرتی تھی' تو میری خواہش تھی کہ میری طرف اٹھنے والی لاکھوں نگاہوں میں سے کسی ایک نگاہ میں تو حیاء کا احساس جھلکتا ہوا ملے۔ مگر مجھے ہر نگاہ میں شیطانیت نظر آتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں ایک بکاؤ مال ہوں۔ اگرچہ میرے چہرے پر خوشی کا جھوٹا تاثر ہوتا تھا' مگر میرے دل ودماغ میں ایک خوف طاری رہتا تھا۔ مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے میں جنگل کے لاتعداد بھیڑیوں کے درمیان تنہا عورت ہوں۔ مگر الحمدللہ! جب سے اللہ نے مجھے دین کا شعور دیا ہے اور میں نے باقاعدہ پردہ کرنا شروع کیا ہے' تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس پردے کی آڑ دے کر اللہ نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔ مجھے اس سے بہت سکون ملا ہے۔ ایک سرور کی کیفیت ملی ہے جو صرف اور صرف اللہ کے ذکر میں غرق ہو کر ہی ملتا ہے۔ یہ نہ تو شہرت کی بلندیوں پر انسان کو ملتا ہے نہ دولت کی فراوانی سے حاصل ہوتا ہے۔ آج جب ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں چاروں طرف جرائم ہی جرائم نظر آتے ہیں۔ اگر اس کی گہرائی پر غور کریں تو آپ کو سب سے نمایاں عنصر عورت کی بے پردگی اور نمائش حسن کا نظر آئے گا۔ جب ایک عورت بے پردہ ہو کر گھر سے نکلتی ہے تو دراصل وہ شیطان کی آلہ کار بن جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے نوجوانوں کا اخلاق بگڑتا ہے' اس کے بعد وہ سنگین جرائم کا ارتکاب بھی کر گزرتے ہیں' جبکہ باپردہ عورتیں دیکھ کر پاکیزگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

سوال: ان دنوں میں آپ کے مطالعہ میں کون کون سی کتب ہیں؟

جواب: مولانا مودودی رحمہ اللہ کی کتاب دینیات اور دیگر کتب کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ تفہیم القرآن بھی پڑھ رہی ہوں۔ زینب الغزالی کی "زنداں کے شب و روز" بھی پڑھ چکی ہوں۔ جس سے بڑا حوصلہ ملا ہے اور پتہ چلا ہے کہ ایک مسلمان کا معاشرے میں حقیقی رول کیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ عورت صنف نازک ہے' مگر ایک مسلمان عورت صنف نازک ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے عزائم کے حوالے سے ایک فولادی دیوار ہے۔ زینب الغزالی جیسی مجاہدات کے حالات زندگی موجودہ دور کی خواتین میں عام کرنے کی ضرورت ہے۔

سوال: پاکستانی خواتین کے نام کوئی پیغام؟
جواب: مائیں اپنے بچوں کو ٹی۔ وی کی اسکرین سے بچائیں۔ کسی بھی قوم کی عورت ہی قوم کو بناتی یا بگاڑتی ہے۔ اگر عورت اپنے بچوں کی صحیح تربیت پر توجہ دے تو وہ دراصل معاشرے کی اصلاح کے لئے ایک اہم کارنامہ انجام دیتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُسے چاہئے کہ اپنے اردگرد کی خواتین کو بھی اکٹھا کر کے احتساب اور تربیت کا عمل جاری رکھے۔ ہمارے معاشرے کی جو خواتین مغرب سے متاثر ہو کر بے پردہ یا نیم عریاں ہو کر فخر محسوس کر رہی ہیں' وہ نہ صرف اپنے خاندان کی غیرت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک رہی ہیں بلکہ معاشرے کو بھی تباہی کی راہ پر لے جا رہی ہیں' العیاذ باللہ! ان خواتین کو بھی ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی ضرورت ہے' عین ممکن ہے کہ یہی مغرب زدہ خواتین مستقبل میں اسلام کی قابل فخر مجاہدات بن جائیں' ان شاء اللہ! (تحریر: ام غفران الرحمان)

"مسلمانوں کے تضادات غیر مسلم دنیا میں دعوت دین کے فروغ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں!"

امینہ اسلمی وہ امریکی خاتون ہیں جنھوں نے مئی ۱۹۷۷ء میں اسلام کو قبول کیا۔ اس سے پہلے وہ متشدد عیسائی تھیں۔ وہ امریکی ٹیلی وژن اور ریڈیو پر بچوں اور سماجی بہبود سے متعلق پروگرام پیش کرتی تھیں اور ٹیلی وژن کے بعض پروگراموں پر انہوں نے انعامات بھی حاصل کئے۔ فی الحال امینہ اسلمی بچوں کے لئے ایسے رسالے نکالنے میں مشغول ہیں جن میں اسلام کی تعلیمات کو پیش کیا جا سکے۔

برطانیہ کے ایک سفر کے موقع پر ان سے یہ انٹرویو لیا گیا:

* آپ کے قبول اسلام کرنے کا بنیادی سبب کیا ہے؟
* مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے دوران میں' میں عین اس وقت اسلام سے واقف ہوئی جب کمپیوٹر کی تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ کے ایک سینٹر میں میں نے اپنا نام درج

کروایا' میرے ہی سیکشن میں بعض عرب بھی تھے۔ میں ان کو صرف اس لئے ناپسند کرتی تھی کہ وہ مسلمان ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اپنا سیکشن تبدیل کروا کر ایسے سیکشن میں داخلہ کروانا چاہا جس میں کوئی عرب مسلمان نہ ہو۔ اسی سلسلہ میں اپنے شوہر سے میں نے مشورہ کیا' انہوں نے مجھے عجلت سے کام لینے سے روکا اور برداشت کرنے کی تلقین کی۔ اب میں نے یہ خیال کیا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ کو ان کی ہدایت کے لئے منتخب کیا ہو۔ میں نے ان عربوں سے کہا کہ تم سب جہنم میں جاؤ گے' عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی وفات تمہاری ہی وجہ سے ہوئی۔ میں نے قرآن کو خریدا کہ اس کو ان کے خلاف استعمال کروں اور دو سال تک اس کا مطالعہ کرتی رہی تاکہ کچھ غلطیاں ملیں۔

اسی دوران میں ایک مرتبہ عربوں کی ایک جماعت نے میرے گھر کے دروازے پر دستک دی' میں نے جب دروازہ کھولا تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ اسلام کو قبول کرنا چاہتی ہیں۔ میں نے ان سے کہا: "ہرگز نہیں' میں تو پختہ طریقہ سے مسیحیت پر کاربند ہوں۔" میں اسی امید میں ان سے اسلام کے خلاف گفتگو کرتی رہی کہ ان کو ہدایت ہو اور ان تمام امور کا تذکرہ میں نے ان سے کیا جن کو میں سلبی تصور کرتی تھی۔ ان میں سے ایک شخص نے جس کا نام عبدالعزیز شیخ تھا' اسلام کے محاسن بڑی تفصیل سے بیان کئے اور میری تلخ گفتگو کو وہ لوگ برداشت کرتے رہے اور خوش اسلوبی کے ساتھ اسلام کی دعوت دیتے رہے' انہوں نے انتہائی بردباری اور اخلاق کا مظاہرہ کیا۔ دوسری طرف قرآن کے مطالعہ کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے شراب پینا' خنزیر کھانا چھوڑ دیا۔ لیکن ابھی میں اسلام کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر سکی تھی۔ اسلام کو میں نے کچھ عرصہ بعد قبول کیا۔

❀ آپ کے خیال میں وہ کون سے حقیقی اسباب ہیں جو مغربی عورت کو اسلام میں دلچسپی لینے پر مجبور کر رہے ہیں باوجود اس کے کہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ بدترین سلوک روا رکھتا ہے؟

❀ مغربی عورت کی زندگی بڑی محنت ومشقت کی زندگی ہے' تمام لوگ اس سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اچھی عورت بنے' اچھی ماں' اچھی آفیسر' اچھی ملازم بنے۔ عورت کی آزادی

کے لئے ہمارے یہاں کافی اسکول (کالجز) ہیں اور ہر کالج مختلف امور پر توجہ دیتا ہے۔ عورت ان تمام دعووں اور مطالبوں کے درمیان حیران ہے' اس کی کوئی شخصیت نہیں اور نہ اس کی اپنی کوئی مرضی ہے۔ ایسی صورت میں مغربی عورت جب قرآن پڑھتی ہے اور اسلام میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں اس کو علم ہوتا ہے تو اس پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو مکمل حقوق عطا کئے ہیں اور یہ حقوق سینکڑوں سال پہلے عورت کو دیئے گئے ہیں' جب عورت کی آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ پھر قرآن ہمیں عورت کے حقیقی معنی سے آشنا کرتا ہے۔

اسلام ان سوالوں کا جواب دیتا ہے کہ مثلاً عورت کی اپنے معاشرہ میں کیا ذمہ داری ہے؟ خصوصاً اپنے والدین کے بارے میں اور خود اپنے بارے میں اس کے کیا اختیارات ہیں' یہاں تک کہ وہ اپنے انتہائی محبوب شوہر سے قبول اسلام کر لینے کی وجہ سے علاحدگی اختیار کر لے۔

❁ لیکن بعض مغرب پرست عرب ملکوں میں یہ بات کہتے ہیں کہ مغربی عورت فعلاً آزاد ہے۔ یہ بات کہاں تک درست ہے؟

✿ مغربی عورت آزاد نہیں ہے بلکہ اس پر بہت سی پابندیاں ہیں جو آزادی نسواں کے نام پر اس پر لگائی گئی ہیں' اور یہ مطالبے اس کو پریشانی میں مبتلا کئے ہوئے ہیں۔ اس کے لئے یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ وہ ایسے نظام میں رہے جس میں مرد کو حاکمیت حاصل ہے' تاکہ وہ کامیاب ہو جائے۔ یہ ایسا مطالبہ ہے جو عورت کو عورت سے زیادہ مرد کی حیثیت سے زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے۔ تو یہ آزادی کہاں ہوئی؟ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچوں کی پرورش کے لئے اس کو موقع نہیں ملتا' جس کی وجہ سے وہ بچے آوارہ گھومتے گروہوں میں شامل ہو جاتے ہیں' یہی چیز ماں کو بے چین کر دیتی ہے اور اس کے اندر احساس گناہ پیدا کر دیتی ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو اپنے بچوں کی تربیت سے فارغ کر لیتی ہے تو اس کا معاشرہ اس کو کمتر سمجھتا ہے۔

مغربی عورت ان تصورات کی غلام ہے جن کو معاشرہ اور میڈیا مثالی عورت کے لئے پیش کرتا ہے۔ وہ تصورات عام عورت کے تصور کے منافی ہیں۔ یہی چیز اس کے اندر

بے چینی پیدا کر دیتی ہے۔ اس لئے ہر عورت چاہتی ہے کہ وہ ویسے ہی ہو جائے جیسی تصویر مثالی عورت کی میڈیا میں پیش کی جاتی ہے' لیکن ہر عورت اس کی استطاعت نہیں رکھتی۔

❀ عرب ملکوں میں مغربی طرز پر عورت کی آزادی کے داعیوں کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟

✿ میں مغربی عرب ملکوں کا دورہ کروں گی مثلاً کویت وغیرہ' اور میرے دورے کے اسباب میں سے ایک سبب عرب اور مسلمان عورتوں کو ان مدارس کی تقلید سے بچانا ہے جو مغربی عورت کی آزادی کے نام پر قائم ہیں۔ میں قبول اسلام کرنے سے پہلے آزادی کی داعی تھی اور میں اس سلسلے کی دعوت کا مفہوم خوب اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ میں یہ بھی چاہتی ہوں کہ مسلمان عورتیں اس بات سے بخوبی واقف ہو جائیں کہ مغربی عورت آزاد نہیں ہے' بلکہ مغربی نظام میں مجبور ہے اور حقیقی آزادی جس کو وہ تلاش کر رہی ہے وہ اس کو صرف اور صرف اسلام عطا کرتا ہے۔ عرب ممالک میں جو لوگ عورت کی آزادی کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ مغرب میں عورت کی آزادی کے مفہوم کو نہیں جانتے اور حقیقت میں وہ اسلام سے بھی واقف نہیں ہیں۔

❀ آپ نے ایک مدت تک امریکہ کے ٹیلی وژن میں کام کیا ہے' آپ کا کیا خیال ہے کہ امریکی میڈیا مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے؟

✿ امریکی میڈیا موضوعی انداز رکھتا ہے لیکن مسلمانوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ اسلام کو اس انداز سے پیش نہیں کرتے جس انداز سے میڈیا چاہتا ہے' وہ میڈیا کے ساتھ معاملہ کرنا نہیں جانتے۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں کے اپنے بیانات اور تشریحات اختلاف رکھتے ہیں اور اس کا اظہار ٹیلی وژن کی سکرین پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے امریکی عوام پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں (یعنی جو لوگ اسلام کے بارے میں کچھ واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسلام سے قریب ہوتے ہیں' وہ پس و پیش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یوں قبول اسلام کرنے میں یہ چیزیں رکاوٹ بنتی ہیں) بسا اوقات امریکی عوام اسلام کے بارے میں ایسے لوگوں سے معلومات حاصل کرتے ہیں جن کا ذکر اسلام کے بارے میں صاف نہیں ہوتا مگر وہ اپنی بات ان کے ذہن کے مطابق پیش کرتے ہیں' اس لئے مسئلہ امریکی میڈیا کا نہیں خود

مسلمانوں کا ہے۔

✽ مغربی ملکوں میں اسلام کے مستقبل کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

✿ مسلمانوں کے انتشار کے باوجود اسلام جلد ہی یورپ میں ترقی کرے گا۔ اب یورپ میں ایسے مسلمان پائے جانے لگے ہیں جو اپنے ملکوں کی عادات واطوار کو چھوڑ کر حقیقی اسلام کو پیش کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ بہت سے مسلمان تعلیم یافتہ لوگوں سے خطاب کرنے کا طریقہ جان گئے ہیں' اس لئے وہ امریکی تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اسلام مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ لیکن یہاں لوگوں کے دلوں میں ایک غلط بات بیٹھ گئی ہے کہ اسلام کو غریب لوگ ہی قبول کرتے ہیں یا مختلف مشکلات میں گرفتار اشخاص قبول اسلام کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اسلام کو قبول کرنے والے اکثر وہ لوگ ہیں جو یونیورسٹیوں سے فارغ شدہ ہیں یا سیاسی' صحافتی' قانونی میدانوں میں قدم رکھنے والے حضرات ہیں' اور یہی چیز مستقبل میں اسلام کے منظر کو اور بہتری عطا کرے گی۔

✽ یورپ میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کا کون سا بہتر طریقہ ہے؟

✿ سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ لوگوں کے لئے ہم اسلامی تعلیمات کا آئینہ ثابت ہوں۔ سوالوں کا جواب دینے کے لئے کافی علم ہونا چاہئے کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت دین سے ناواقف ہے اور ان کے پاس کوئی ایسی شخصیت ہے نہ کوئی ایسا موقف' جو اسلام کے سلسلہ میں مددگار ثابت ہو۔ یہی چیز میرے دل کو تڑپا رہی ہے کہ ہم ان کو اسلام سے واقف کرائیں۔

✽ اس کانفرنس کے بارے میں جو ابھی حال ہی میں بیجنگ میں منعقد ہوئی تھی' آپ کا موقف کیا تھا؟ اور مزید یہ کہ اس کانفرنس کے مقصد سے بھی آگاہ کریں؟

✿ میں نے کانفرنس میں شرکت سے انکار کر دیا تھا اور اس کانفرنس کا بائیکاٹ کیا۔ بائیکاٹ اس وجہ سے نہیں کیا کہ میرے پاس دعوت نامہ نہیں آیا تھا' بلکہ اس کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے کئی دعوت نامے مجھے موصول ہوئے تھے' لیکن میں نے اس کانفرنس میں شریک ہونے سے اس لئے انکار کیا تھا کہ کانفرنس نے اسلامی نقطہ نظر کے بارے میں سننے

سے پہلے ہی انکار کر دیا تھا' اور یہی بات مجھے ناپسند تھی' جس کی وجہ سے میں نے بائیکاٹ کیا۔ میں اس کانفرنس کے ذمہ داروں میں سے اکثر سے ملاقات کر چکی تھی اور اکثر سے میں واقف بھی تھی' نیز میں ان میں سے اکثر کو منحرف اور اخلاق مخالف جانتی تھی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر میں کانفرنس میں شریک ہوتی تو گویا میں نے کانفرنس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کر لیا لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض مسلمان عورتوں نے کانفرنس میں شرکت کرنے میں فخر محسوس کیا۔ کیونکہ وہ کانفرنس کا مطلب نہ سمجھ سکیں' عورت کی آزادی کے غلط دعوؤں اور اسلام سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ اس کانفرنس سے متاثر ہو گئیں۔

✽ آپ عورت کی آزادی کے داعیوں میں سے رہی ہیں اور اس زمانہ میں آپ کی متعدد سرگرمیاں بھی جاری رہی ہیں۔ اپنے تجربات کے بارے میں ہمیں کچھ معلومات فراہم کیجئے!

✿ میں اپنی زندگی کے اس مرحلے میں یہ اعتقاد رکھتی تھی کہ عورت و مرد کے درمیان مقابلہ ہے اور میرا کام یہ ہے کہ میں مرد کی طرح ہو جاؤں حتیٰ کہ میں اس کے مقابلہ کی طاقت رکھ سکوں۔ جو کام مرد کرتا ہے' میں یہ سمجھتی تھی کہ میں بھی اس کے کرنے پر قادر ہوں لیکن جب وہ مجھ سے کسی چیز میں فوقیت لے جاتا تو میں یہ سمجھ لیتی کہ وہ میرا دشمن ہے۔ یہ جاننے کے بعد کہ عورت ہونا فخر کا باعث ہے اور ماں ہونا بھی فخر کا باعث ہے' میں نے اسلام کو قبول کر لیا۔ میں پہلے اپنے آپ کو سب کے سامنے محصور پاتی تھی' اب ایک خاندان کے ایک باعزت اور محفوظ فرد کی حیثیت رکھتی ہوں۔ میرا خیال ہے کہ مرد و عورت میں سے ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے' ان کے درمیان کوئی جھگڑا نہیں ہے اور ان دونوں کی زندگی بعض کی بعض کے ساتھ رحمت ہے' جس کے بارے میں قرآن اچھی طرح بیان کرتا ہے۔

مشرقی معاشرہ میں اگر عورت حقوق سے محروم ہوتی ہے تو بعض سماجی یا انفرادی کوتاہیوں کی وجہ سے نہ کہ اسلام کی تعلیمات کی وجہ سے' جو بہت واضح ہیں۔

(تحریر: ہشام عوضی' ترجمہ: مسعود حسن حسنی)

"اسلامی ثقافت بہت عظیم ہے!"

محترمہ سکینہ (جرمنی)

کارلا بار ٹیلی فلم اور سٹیج کی انتہائی مشہور جرمن اداکارہ تھی۔ اس کے اپنے ملک جرمنی کے ہر حصے میں اس کے لاکھوں شیدائی موجود تھے لیکن اس شہرت اور چمک دمک کے باوجود یہ مشہور اور معروف اداکارہ خود کو انتہائی غیر مطمئن محسوس کرتی تھی۔ اسے کسی گمشدہ چیز کی تلاش تھی' جو اس کی روح اور باطن کا خلا پر کر دے' جو اس کی زندگی کو بامقصد اور بامعنی بنا دے۔

اسے یہ کھوئی ہوئی چیز صرف اسلام میں ملی۔ آج اسی (۸۰) برس کی عمر میں وہ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس کی راہنمائی کی اور اللہ تعالیٰ نے کیسے اس کی زندگی کے شب و روز اسلام کے نور سے روشن کر دیئے۔

یورپ کی یہ نومسلمہ عورت اپنے بارے میں بتاتی ہے کہ اس نے کس طرح اسلام کو قبول کیا! اسلام کی طرف سے ان کی جو درست اور اچھی رہنمائی ہوئی اس کے بارے میں ان کا تجربہ منفرد اور بے مثال ہے' یہ تجربہ ان کو برسوں کی الجھنوں اور تلاش کے بعد ہوا اور جس تسکین کی تلاش ان کو عرصے سے تھی وہ آخر کئی برسوں بعد اسلام کی صورت میں مل گئی۔

عرب صحافت کے ایک جریدے "المسلمون" کا نمائندہ اس جرمن نومسلم عورت سے ملا' جس نے فلم اور سٹیج کی عظیم فنکارہ کی حیثیت سے اپنی شہرت کے بام عروج پر ہوتے ہوئے روحانی تسکین کی خاطر شہرت کا تاج اپنے سر سے اتار دیا تھا۔ اس کے پاس مادی آرام و آسائش کی تمام فانی چیزیں موجود تھیں اور وہ لاکھوں لوگوں کی نگاہوں کا مرکز تھیں۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ اپنے اندر کسی چیز کی کمی محسوس کرتی تھیں' ایسی کمی جس نے اس اداکارہ کے اندر ایک زبردست روحانی خلا پیدا کر دیا تھا۔

اللہ نے کس طرح اس کی راہنمائی کی اور کس طرح ایمان کی روشنی نے اس کے دل

کو منور کر کے اس کی زندگی کو بامقصد بنا دیا اور ان تمام برسوں کے بھاری بوجھ کے باوجود وہ ایسے تمام ٹیلی ویژن پروگرام دیکھا کرتی تھی جن میں عرب کے متعلق تذکرے ہوتے تھے اور وہ اسلام کے متعلق بیان کی جانے والی حقیقتوں کو اپنی ڈائری میں لکھتی جاتی تھی۔

اسلام کے متعلق وہ اپنی کہانی اس طرح بیان کرتی ہے:۔

"۱۹۲۴ء میں' میں نے برلن میں اداکاری کا "فن" سیکھا اور کئی ڈراموں میں اداکاری کی۔ میں نے ہالی وڈ اور جرمنی میں کئی فلموں میں کام کیا۔ تب میں نے سوچا کہ میں سچائی کی تلاش خود کیوں نہ کروں؟

اس کا بہترین طریقہ جو میں نے اپنایا وہ یہ تھا کہ دوسرے ملکوں کی سیاحت کر کے میں وہاں کے لوگوں میں گھل مل جاتی اور ان کی زندگیوں کا قریب سے مشاہدہ کرتی تھی۔ ۱۹۳۴ء میں ہٹلر نے جرمنی میں دولت مند لوگوں کے ملک سے باہر جانے پر پابندی عائد کردی تھی۔ اس کے باوجود میں نے اپنے ایک شناسا کی مدد سے جو جرمن حکومت میں کام کرتا تھا ملک چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے مجھے مسولینی کی وساطت سے ملک سے باہر جانے کی اجازت دلادی' ورنہ مجھے اپنے ملک سے باہر جانے کا موقع نہ ملتا۔ فرانسیسیوں نے مجھے تونس میں بند کر کے بے حد پریشان کیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد مجھے شہر میں گھومنے پھرنے کا اجازت نامہ مل گیا۔ چند روز بعد میں مصر چلی گئی۔ قاہرہ میں مسجدوں کے میناروں سے بلند ہوتی اذانوں سے میں بہت متاثر ہوئی تھی۔ چنانچہ میرے دل میں اسلام سے متعلق زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش پیدا ہوئی اور بڑھتے بڑھتے یہ خواہش ایک تڑپ کی صورت اختیار کر گئی۔

میں یوں محسوس کرتی جیسے میں مسلمان ہی پیدا ہوئی تھی حالانکہ میرے ماں باپ عیسائی تھے اور انہوں نے مجھے بچپن سے رومن کیتھولک مذہب کے اصولوں کے مطابق تربیت دی تھی۔ عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کے مطابق میرے والدین "باپ بیٹے اور روح القدس" کے ایک ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ جس پر مجھے ہمیشہ شبہ ہوتا' اس کے علاوہ مجھے اس بات پر بھی یقین نہیں آتا تھا کہ خدا کا کوئی بیٹا ہو سکتا ہے۔ یوں میں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کردیا' جس سے مجھے حقیقی اطمینان حاصل ہوا۔ میں نے اپنے لئے سکینہ نام

پسند کیا۔ اس کے بعد میں مصری عوام کے ساتھ مکمل مل کر ان سے گفتگو کرتی اور جامعہ الازہر میں جاکر اسلام کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کرتی۔ مجھے یقین ہوگیا تھا کہ میں مسلمان پیدا ہوئی ہوں اور مجھے احساس ہوگیا کہ اسلام ہی دین فطرت ہے اور انسانی زندگی کے تمام مادی و روحانی مسائل کا حل اسلام میں موجود ہے۔

میں نے صحرائے سینا کا سفر کیا اور کچھ عرصہ مصر کے دیہات میں گزرا۔ میں مصر میں کسانوں کے قبیلے میں فلاحین کے ساتھ بھی رہی۔ کچھ عرصہ بعد میں برلن واپس آئی اور پھر میں نے فن لینڈ کا سفر کیا اور اس بارے میں ایک کتاب لکھی۔ بعد ازاں میں سعودی عرب گئی اور وہاں ایک سعودی خاندان کے ساتھ چھ ماہ رہی۔"

جب ان سے ان چیزوں کے بارے میں پوچھا گیا جنہوں نے انہیں مصر اور سعودی عرب میں قیام کے دوران میں متاثر کیا' تو انہوں نے کہا کہ "میں نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ تاہم میں مصر میں ایک گاؤں میں رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میں بہت پرسکون اور شان دار جگہ پر رہ رہی ہوں۔

وہ مصری کسان جن کے ساتھ میں رہتی تھی اپنی سادہ زندگی سے بے حد خوش تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ قدیم طرز پر زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے طریق عبادت یعنی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جمع ہو کر نہایت متانت اور وقار سے اللہ کے آگے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ جو کچھ میں نے اپنے ملک اور دوسرے ممالک میں دیکھا اس کا مقابلہ کرتے ہوئے میں سمجھتی ہوں کہ مغرب میں اکثر لوگ ہر قسم کی مادی سہولتوں کے باوجود باطنی طور پر خوش نہیں ہیں اور ان کی زندگیاں ازحد تاریک ہو چکی ہیں' لیکن میں جن مسلمان ملکوں میں گئی وہ مادی طور پر اتنے خوش نہ تھے جتنے روحانی طور پر خوش نظر آتے تھے۔ موجودہ دور کی مادی آسائش والی چیزوں کی قلت پر وہ کبھی پریشان نہیں دیکھے گئے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے مشترکہ خاندان کو اکٹھے رہتے دیکھا ہے اور یہ صفت یورپ میں نایاب ہے۔ مسلمانوں میں پورا خاندان دادا اور دادی کی بہت عزت کرتا ہے اور ان بزرگوں کو خاندان میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ خاندان کے تمام افراد اپنے بزرگوں کا احترام کرتے ہیں' جب کہ یورپ میں بوڑھے والدین کو اولاد نہیں پوچھتی اور یہ بیچارے زندگی کے آخری دن سخت تنہائی

اور اذیت میں رہ کر مرجاتے ہیں۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ اسلام کے دشمن جس بات کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ اسلام نے عورت کو معاشرے میں بنیادی حقوق دیئے ہیں۔ یورپ میں لوگ اول تو اس عظیم دین کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں اور جو برا بھلا جانتے ہیں تو صرف اتنا کہ یہ وحشی اور اجڈ لوگوں کا مذہب ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ اسلام کے بارے میں صدیوں سے کس قدر غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان پر اسلام کی تمام خوبیاں اور برکتیں روشن ہو جائیں تو یہ ایک لمحہ بھی اس سے دور نہیں رہ سکتے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اسلام کی وسیع پیمانے پر تبلیغ کی جائے۔

اسلامی ثقافت بہت عظیم ہے اور اسلامی فن کا اظہار قدیم مسجدوں سے ہوتا ہے جو ثقافت اور معلومات کے مراکز ہیں۔ مسلمانوں نے لکڑی اور شیشے پر نقش و نگاری کے بڑے پائدار نشانات چھوڑے ہیں۔ آرٹ کے جس میدان میں وہ دلچسپی لیتے ہیں' اس میں غیر معمولی مہارت حاصل کر لیتے تھے۔ انہوں نے عربی خطاطی کے فن میں سے ایک منفرد فن تخلیق کیا۔ حتیٰ کہ یورپی آرٹسٹ بھی اس سے بہت متاثر ہوئے اور وہ عربی گلکاری کے فن کو آرائش کے نام سے پکارتے ہیں۔ اسلامی آرٹ تخلیق کی بہت بلندیوں کو پہنچ چکا ہے۔ جیسے عمارات کو زیورات سے مرصع کرنے سے تشبیہ دی جاتی ہے' مسجدوں اور محلات میں اسلامی آرائش کا یہ فن اپنے کمال پر نظر آتا ہے اور اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کیونکہ سچائی اپنا ثبوت خود ہوتی ہے۔" (ماخوذ)

قرآن کریم کے مطالعہ نے مجھے یقین وایمان کی روشن شاہراہ پر لا کھڑا کیا!"

محترمہ میری کینڈی (امریکہ)

"میرا تعلق امریکہ سے ہے۔ پیشے کے اعتبار سے چند سال پہلے تک میں "آرٹسٹ"

تھی اور "فن" کی دنیا میں میرا ایک نام تھا' اس لئے لاکھوں میں کھیلتی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے میں ذہنی اعتبار سے دہریہ تھی یعنی خدا کی منکر تھی اور مذہب و اخلاقی قدروں کو لایعنی سمجھتی تھی۔ میرے نزدیک زندگی کا مقصد محض عیاشی تھا اور بس! اندازہ کیجئے کہ میں نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں لیکن کسی بھی خاوند سے میرا نباہ نہ ہو سکا' اور ایک وقت ایسا آیا کہ میرا سکون مکمل طور پر لٹ گیا۔ عیش کا کوئی انداز مجھے مسرت سے ہمکنار نہ کرتا اور افسردگی و پژمردگی ہمہ وقت میرے دل و دماغ پر چھائی رہتی۔

بھوک اور نیند ختم ہو کر رہ گئی۔ میں گھنٹوں بستر پر کروٹیں بدلتی رہتی لیکن پرسکون نیند میری زندگی سے جیسے مستقل رخصت ہو گئی تھی۔ تنگ آ کر میں نے نیند آور دواؤں کا استعمال شروع کر دیا اور جب یہ بھی بے کار ثابت ہوئیں تو شراب اور دیگر منشیات میری زندگی کا مستقل حصہ بن گئیں۔ لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ ڈپریشن ہمہ وقت مجھے گھیرے رہتا اور خوف میرے اعصاب کو کچلتا رہتا۔ اندازہ کیجئے! میری مایوسی کا یہ عالم تھا کہ کئی بار میں نے خودکشی کی کوشش کی۔ لوگوں سے ملنا ملانا ختم ہو گیا' مستقل چڑچڑے پن اور مردم بیزاری کی وجہ سے کوئی مجھے ملنا پسند نہ کرتا۔ ایک ماں کے سوا دنیا میں میرا کوئی ہمدرد اور غمگسار نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار مجھے ایک دارالامان (Asylum) میں داخل ہونا پڑا' جہاں عادی نشہ بازوں کا علاج ہوتا تھا۔

یہ وہ صورت حال تھی جب ایک خاتون شفقت و رحمت کے روپ میں میری زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ ہماری ہمسائی تھی جو میری ماں کی گہری دوست بھی تھی اور مزاج اور عادات کے اعتبار سے منفرد خصوصیات کی حامل تھی۔ وہ بڑی ہی باوقار اور محبت کرنے والی خاتون تھی۔ وہ میری والدہ کے ہمراہ وقتاً فوقتاً دارالامان میں آتی اور خاصا وقت میرے پاس گزارتی۔ اس کے رویئے میں ایک خاص قسم کی اپنائیت اور انس محسوس ہوتا۔ وہ میری ہمت بندھاتی اور جینے کا حوصلہ عطا کرتی۔ وہ کہا کرتی کہ تمہارا سب سے بڑا مرض یہ ہے کہ تم خدا کو نہیں مانتی حالانکہ انسان کی اپنی زندگی اور کائنات کی ایک ایک چیز اس کے وجود کی شہادت دے رہی ہے۔ اس نے دلیل دی: "یہ جو گھڑی تم نے کلائی کے ساتھ باندھ رکھی ہے' کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خود بخود بن گئی ہے اور کوئی اس کا بنانے والا نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر کوئی اس طرح کی سوچ رکھتا ہے تو وہ نرا احمق ہے' عقل و خرد سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو جب یہ حتمی حقیقت ہے کہ ایک معمولی گھڑی خود بخود نہیں بنی' یہ عینک اور یہ جوتا محض اتفاق سے وجود پذیر نہیں ہوا' تو پھر یہ خیال کرنا کہ ہماری یہ آنکھیں' یہ ہاتھ' یہ پاؤں بغیر کسی خالق کے بن گئے ہیں' کتنی احمقانہ اور بے بنیاد سوچ ہے۔"

وہ خاتون محبت اور شفقت سے میرا ہاتھ پکڑ کر میری آنکھوں میں جھانکتی اور دل سوزی سے کہتی: "یقین کرو کہ اس کائنات کا' اس عظیم پُر اسرار کائنات کا ایک خالق اور مالک ہے۔ اسی نے ہمیں پیدا کیا ہے' اور اسی نے انسانوں کو حیرت انگیز جسمانی نظام اور ذہنی و عقلی اور عملی صلاحیتیں عطا کی ہیں۔ وہ زندہ و پائندہ اور حی و قیوم ہے۔ ہماری ایک ایک حرکت اس کی نظروں کے سامنے ہے اور ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے کمپیوٹروں میں محفوظ ہو رہا ہے۔"

"لیکن اگر وہ موجود ہے تو پھر دکھائی کیوں نہیں دیتا اور ہماری عقل اس کا احاطہ کیوں نہیں کرتی؟"

میرے اعتراض پر وہ خاتون مسکرائی اور کہنے لگی کہ "میری پیاری بیٹی! انسانی بصارت اور عقل کی استعداد بڑی محدود ہے' ضروری نہیں کہ یہ ہر چیز کا احاطہ کر سکیں۔ ذرا دیکھو! اسی دنیا میں ہمارے ارد گرد ایسی متعدد چیزیں موجود ہیں جو اپنا وجود رکھتی ہیں لیکن نظر نہیں آتیں۔ بجلی اور ہوا اس کی ٹھوس مثالیں ہیں۔ ایٹم کو بڑی سے بڑی خوردبین نہیں دیکھ سکی' لیکن کون ہے جو اس کے وجود سے انکار کرتا ہے؟ اسی طرح اس کائنات میں لازماً ایک سپریم قوت موجود ہے جو سارے نظاموں کو چلا رہی ہے۔ لیکن ہماری کمزور و محدود بصارت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ رہی عقل' تو وہ بھی محدود اہلیت کی حامل ہے اور روزمرہ زندگی میں دھوکے کھانا اور معمولی معاملات کا ادراک نہ کرنا' اس کا عمومی مزاج ہے۔ پھر یہ دونوں کمزور اور محدود انسانی صلاحیتیں ظاہر ہے کہ ایک لامحدود و لافانی قوت کا احاطہ کس طرح کر سکتی ہیں! اس کا ادراک اور یقین تو دو ہی طرح سے ہو سکتا ہے: انسان اپنی ذات میں اور کائنات میں جو ان گنت اور بے حد و شمار نشانیاں موجود ہیں' ان کو دیکھے اور پھر ان پر غور و فکر کرے تو لازماً وہ خالق کائنات کے وجود کا قائل ہو جائے گا' اور دوسرا ذریعہ

مبوں کی تعلیم ہے۔ اگر ٹھنڈے دل و دماغ سے' سنجیدگی کے ساتھ مذہبی تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے گا اور ان پر تفکر و تدبر کیا جائے گا' تو بھی خدا کی تفہیم آسانی سے ہو سکتی ہے۔"

اس شفیق و کریم خاتون کی گفتگو اور محبت آمیز رویے نے شک کے بہت سے کانٹے دل سے نکال دیئے اور مجھے ایک عرصے کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے متلاطم موجوں کے درمیان کسی ڈوبتے ہوئے شخص کو اچانک ایک مضبوط تختے کا سہارا مل جائے۔ مایوسی کے اندھیرے چھٹتے ہوئے نظر آئے اور اس رات پہلی بار میں نے خدا کے حضور جھکنے کا شرف حاصل کیا اور میں نے رو رو کر التجائیں کیں۔

"میرے خدا' میرے عظیم خدا! میرے رحیم خدا تو بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے' تو اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ میں ایک کمزور اور نادان عورت ہوں اور تباہی کے کنارے پر کھڑی ہوں' اور اب وہ لوگ بھی پریشان ہیں جو مجھ سے ہمدردی کا تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ پر رحم کر اور مجھے مایوسی کے اندھیروں سے نکال دے۔"

میں نے یہ دعا بار بار مانگی اور رو رو کر مانگی۔ نتیجہ یہ کہ دل کا غبار دھل گیا اور یاس کی تاریکیوں میں امید کے جگنو ٹمٹمانے لگے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ میں ذہن و فکر کی دنیا میں ایک نئی زندگی کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھنے لگی! ایک عزم' پاکیزہ عزم میرے اعصاب میں بیدار ہونے لگا۔

جلد ہی میری صحت بحال ہونے لگی اور زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ میں مکمل صحت یاب ہو کر اپنے گھر میں آگئی۔ منشیات کی لعنت سے مجھے مکمل چھٹکارا مل گیا تھا اور یہ صرف اور صرف خدائے واحد کی ذات پر یقین و ایمان کی وجہ سے ممکن ہوا تھا۔

صحت یابی کے بعد ایک روز میں اپنی اس محسنہ کے گھر میں گئی جس نے مجھے دہریت اور بے یقینی کے اتھاہ اندھیروں سے نکالنے میں اہم ترین کردار ادا کیا تھا۔ میں جب اس کے گھر پہنچی تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ وہ کچھ ایسے انداز میں عبادت کر رہی تھی جس کا مشاہدہ مجھے کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ فارغ ہوئی اور میں نے اس کے طرز عبادت کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ دراصل اس نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ پھر اس نے مجھے اسلام کی بنیادی تعلیمات کا تعارف کرایا اور اسلام کے بارے میں چند کتب عنایت کیں' جن میں

قرآن کا انگریزی ترجمہ بھی تھا۔

اور پھر قرآن کے مطالعے نے مجھے یقین وایمان کی روشن شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔ میں اس کتاب سے بے حد متاثر ہوئی۔ اللہ کی وحدانیت' اس کی عظمت و شوکت' اس کی رحیمی وکریمی دل پر نقش ہوتی چلی گئی۔ میں نے دیکھا کہ قرآن بار بار عقل کو اپیل کرتا ہے اور انسانی ذات کے اندر اور کائنات میں پھیلی ہوئی مختلف اشیاء اور آثار کی جانب متوجہ کر کے قرآن غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس بائبل کی تعلیم یہ ہے کہ عقیدے اور ایمان کا عقل سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ قرآن سے میرا تعلق لحہ بہ لحہ مضبوط ہوتا چلا گیا۔ مذکورہ خاتون نے اسلام کے بارے میں جو کتابیں دی تھیں' ان کے مطالعے سے اس دین کی تعلیمات مزید نکھر کر سامنے آئیں۔ جب میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیا تو حیرت اور خوشی سے کچھ نہ پوچھئے کہ میری کیا کیفیت ہوئی! اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک روز میں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اس نیک خاتون کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

اب میں تقریباً روزانہ اس عظیم خاتون کے گھر میں جاتی ہوں اور وہ مجھے اسلامی زندگی کے کسی نئے رخ سے متعارف کراتی ہے۔ میں اس مشفق و حلیم خاتون کے رویے سے جان گئی ہوں کہ اسلام محبت واخلاص کا مذہب ہے اور جو اسے ایک پروگرام کے تحت دانستہ اختیار کرتا ہے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرتا ہے' وہ محبت اور اخلاص کا پیکر بن جاتا ہے۔ آج میں بھی اپنی محسنہ کی طرح دینی تعلیمات پر عمل کرتی ہوں اور بے حد مسرور و مطمئن زندگی گزار رہی ہوں' الحمد للہ! کچھ ہی عرصہ پہلے میں نے اپنی سرگزشت کو کتابی صورت میں مرتب کر دیا جس کے بعد مجھے سینکڑوں خطوط آئے' جن میں لوگوں نے کتاب کی تعریف میں لکھا تھا کہ تمہاری زندگی نے ہمیں جینے کا نیا حوصلہ عطا کیا ہے اور اللہ پر ہمارا ایمان پختہ ہوا ہے۔"

(تحریر: ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

باب نمبر ۳

سینما سے مسجد تک!

ایک ایسے نوجوان کی دلچسپ و عجیب آپ بیتی جو بطور فلم بین فلمی دنیا کی بھول بھلیوں میں کھو گیا تھا —— تائب ہونے کے بعد اس کے دلچسپ مگر ایمان افروز مشاہدات' جن کا مطالعہ قارئین پر بہت سے ہولناک اور عبرت انگیز حقائق وانکشافات آشکارا کر دے گا۔

سینما سے مسجد تک

میرا خاندانی پس منظر اور آپ بیتی کا اصل سبب!

میرا نام عبداللہ مجاہد ہے۔ میں ایک علمی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں' جس میں اکثریت علمائے دین کی ہے ـــــ قرآن و سنت سے گہرا تمسک رکھنے والے' متشرع اور متقی افراد اور داعیان کتاب و سنت! جن کی زندگیوں کو دیکھ کر لوگوں کو رشک آتا ہے۔ ان میں سے بعض افراد ادب کا بھی اچھا ذوق رکھتے ہیں۔ مثلاً بعض مصنف ہیں تو کچھ صحافی اور سکالرز۔ خود میں نے گریجوایشن کے ساتھ مختلف مسلم مفکرین اور مشہور Writers کو بار بار اور خوب پڑھا۔ لیکن میری بدقسمتی یہ رہی ہے کہ میں سکول کی تعلیم کے دوران میں ہی بری صحبت کے نتیجے میں سینما اور فلموں کے ماحول کا شکار ہوتا چلا گیا۔ یوں شیطان کا حربہ کامیاب رہا اور میں علم و ادب کا تھوڑا بہت جو بھی ذوق اور مزاج رکھتا تھا' وہ بھی رفتہ رفتہ جاتا رہا اور میں اس شعر کا عملی مصداق بن گیا ؏

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

سینما بینی کے دوران میں مجھ پر جو کچھ بیتی' اس کے بارے میں تفصیل آپ کو آئندہ صفحات میں معلوم ہو جائے گی۔

اس آپ بیتی / داستان کو منظر عام پر لانے کا مقصد محض یہ ہے کہ میں اپنے ہی ہاتھوں جس ظلم' جہالت اور بدبختی کا شکار ہوا ہوں' اس سے دوسرے افراد عبرت پکڑیں۔ نتیجتاً وہ ان خرافات اور رذائل سے بچ جائیں جو ایک مخصوص دور میں میری ذات کا حصہ بن گئی تھیں۔

اب آپ ذیل میں میری آپ بیتی کو پڑھیں جو عبرت ناک بھی ہے اور بعض پہلوؤں کے لحاظ سے معلومات افزاء بھی:

وہ میرا "دوست" تھا!

شیخ سعدی رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ "صحبت صالح ترا صالح کند' صحبت طالح ترا طالح کند" ترجمہ بھی ملاحظہ کیجئے: "نیک صحبت (اور دوستی) تجھے نیک بنا دے گی اور بری صحبت تجھے اپنے جیسا ہی برا بنا دے گی" —— وہ مبنی بر حقیقت ہے۔ میں سینما تک خود تو نہیں پہنچا تھا بلکہ میرا ایک "دوست" (جو دوست کے لبادے میں دشمن کا روپ دھارے ہوئے تھا' اور اس کی اس دشمنی سے میں بہت بعد میں اس وقت آگاہ ہوا جب وہ اپنا کام پورا کر چکا تھا اور میں جدید شیطانی تہذیب کی طرح طرح کی لعنتوں اور خباثتوں میں مبتلا تھا) ہی ایک ذریعہ بنا۔ کیا یہ تعجب انگیز بات ہے؟ ہرگز نہیں! طویل مطالعے اور مشاہدات کے بعد اب میرا یہ خیال ہے کہ نیکی اور بدی کی طرف انسان کو مائل کرنے میں دوستی اور صحبت کا بھی بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

یہ تب کی بات ہے جب میں قریباً ۱۵ سال قبل گاؤں سے ایک بڑے شہر میں بسلسلہ تعلیم پہنچا اور وہاں کے ایک شہری علاقے کے ایک سکول میں داخلہ لے لیا۔ شہر ہی میں میں نے رہائش اختیار کر لی۔ ایک دینی تنظیم کے ایک دو ساتھیوں کے ذریعے سے ہمیں ایک جگہ پر ایک کمرہ اعزازی طور پر مل گیا تھا۔ کمرے کے مالک بھی دینی جذبے سے سرشار تھے۔ ان ہی دنوں میں اس نوجوان سے سرراہ میری ملاقات ہو گئی' اس پہلی ملاقات کا تاثر کافی حد تک خوشگوار ہی تھا۔ کچھ دنوں بعد میں اپنے والد محترم رحمہ اللہ کے ایک عزیز دوست کے پاس ایک نجی کام کی غرض سے گیا۔ وہاں وہ نوجوان موجود تھا۔ یہ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ان کا سگا بھانجا ہے اور ان ہی کے پاس مقیم ہے۔ پھر ہماری ملاقاتوں کے ایک ایسے سلسلے کا آغاز ہوا جو بالاخر میری صریح گمراہی پر منتج ہوا۔ ہمارا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا شروع ہو گیا۔ کبھی وہ میرے پاس آ جاتا اور کبھی میں اسے ملنے کے لئے چلا جاتا۔ بہرحال شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا تھا جب ہماری ملاقات نہ ہوتی ہو۔ ابتدائی ملاقاتوں میں میں عمر (اس نوجوان کا نام) کو ایک صالح نوجوان سمجھتا رہا' کیونکہ اس کا ظاہری پرخلوص رویہ اور دین پسندی اس بات کی غمازی کرتی تھی۔ ظاہر ہے کہ کسی کے باطن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے

سوا اور کوئی نہیں جان سکتا' علم غیب تو صرف اللہ رب العالمین ہی کو معلوم ہے۔

رفتہ رفتہ میں نے محسوس کیا کہ دین سے عمر کے جذباتی تعلق میں بہ تدریج کمی آ رہی ہے۔ حقیقت واقعہ کے طور پر عرض کر دینے میں مجھے ہرگز کوئی باک محسوس نہیں ہوتا کہ تب میں واقعی پریشان سا ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ شاید یہ میرا وہم ہو۔ پھر میں نے یہ ضرور کیا کہ عمر کو محسوس کروائے بغیر اس کی بول چال اور کردار کا گہری نظروں سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔ جلد ہی مجھے معلوم ہو گیا کہ دال میں واقعی کچھ کالا ہے' اور وہ بھی خطرناک حد تک۔ عمر کا کردار مجھے کیوں اور کیسے مشکوک لگا؟ اس سلسلہ میں درج ذیل واقعہ سے آپ اس کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں:

ایک روز میں سکول سے اپنے رہائشی کمرے میں واپس آیا اور دوپہر کا کھانا کھا کر نماز پڑھنے کے بعد سونے کے لئے لیٹ گیا۔ اتنے میں کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔ اس وقت میں کمرے میں اکیلا ہی تھا' چنانچہ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا' باہر عمر کھڑا تھا۔ اس نے بڑے خوشگوار لہجے میں کہا: "آج موسم بڑا خوشگوار ہو گیا ہے اور تم کمرے کے اندر گھسے بیٹھے ہو! باہر نکلو اور دیکھو کہ باہر کیسی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔ بادل بھی تھوڑے تھوڑے کر کے جمع ہو رہے ہیں۔ یہ سیر کے لئے بہت اچھا موسم ہے۔ ذرا جلدی سے تیار ہو جاؤ! میں تھوڑی دیر تک تیار ہو کر آتا ہوں۔" یہ کہہ کر عمر چلا گیا اور مجھے بھی تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بہ دل نخواستہ تیار ہونا ہی پڑا۔

تھوڑی دیر بعد عمر آ گیا اور ہم سیر کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ شہر کے مختلف پارکوں اور تفریح گاہوں کی سیر کرنے کے بعد ہم واپس چل دیئے۔ بس میں سوار ہونے کے لئے ابھی ہمیں تھوڑا سا پیدل چلنا تھا۔ راستے میں ہی عمر نے اچانک جیب سے ایک سگریٹ نکالا اور سلگا لیا۔ میرا ماتھا فوراً ٹھنکا' میرے خدشات حقیقت کا روپ دھار رہے تھے۔ اس لئے کہ میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ عمر ایک دینی تنظیم کا کارکن ہوتے ہوئے سگریٹ بھی پی سکتا ہے۔ معاشرے کے عام افراد بھی اس تنظیم کے کارکنان کے لئے ایسا تصور ناممکن سمجھتے تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ لوگوں کے نزدیک ان کے لئے ایسا فعل شجر ممنوعہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ سگریٹ کے کچھ کش لگانے کے بعد عمر نے سگریٹ مجھے دیتے ہوئے کہا: "عبداللہ! یہ

لو، تم بھی سگریٹ پیو، بڑا نفیس اور اعلیٰ درجے کا سگریٹ ہے۔" میں نے اسی وقت سر ہلاتے ہوئے انکار کر دیا۔ اس پر تو عمر میرے پیچھے ہی پڑ گیا اور بار بار اصرار کرنے لگا، لیکن میرا انکار بھی جاری رہا۔ بالآخر اس نے کہا:

"چلو! ایک کش ہی لگا لو! اس سے تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ کتنا Tasty اور اعلیٰ برانڈ کا سگریٹ ہے۔" میں نے ہچکچاتے ہوئے اس کے ہاتھ سے سگریٹ لے لیا اور ڈرتے ڈرتے ایک کش لگایا۔ کش لگانے کے دوران میں ہی سگریٹ کا تھوڑا سا دھواں ناک اور منہ کے راستے سے سانس کے ساتھ میرے پھیپھڑوں میں چلا گیا، اس پر مجھے کھانسی اور تنفس کی تنگی کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ الامان والحفیظ! اس کے ساتھ ہی میں نے سگریٹ پرے پھینک دیا۔ کھانسی وغیرہ کا دورہ اتنا شدید تھا کہ کھانستے کھانستے میرے آنسو نکل آئے، جبکہ عمر دانت نکال کر مسلسل ہنسے جا رہا تھا۔ مجھے اس وقت عمر پر غصہ تو بہت آیا لیکن میں مصلحتاً خاموش رہا اور اس پر اپنا غصہ ظاہر نہ ہونے دیا۔ مجھے کھانسی وغیرہ سے قدرے نجات تب ملی جب میں نے قریبی جنرل سٹور سے جوس کا پیکٹ لے کر پیا۔

اس کے ساتھ ہی ہم بس سٹاپ کی طرف پیدل چل پڑے۔ مجھے مسلسل خاموش دیکھ کر عمر میری دلجوئی سی کرنے لگا، اس نے کہا:

"عبداللہ! مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہیں سگریٹ سے اس قدر نفرت ہے، ورنہ تمہیں سگریٹ پینے کے لئے اصرار کر کے ہرگز پریشان نہ کرتا۔ بہرحال میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔"

میں نے جواباً کہا: "اصل پریشانی اور تکلیف یہ نہیں ہے کہ مجھے سگریٹ سے کھانسی اور سانس کے گھٹ جانے کا دورہ سا پڑ گیا تھا بلکہ میں حقیقتاً اس لئے پریشان ہوں کہ تم نے بھی سگریٹ نوشی کرنا شروع کر دی ہے، حالانکہ مجھے تم سے ہرگز ایسی توقع نہیں تھی۔"

یہ سن کر عمر پہلے ٹالنے اور پھر "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کے انداز میں یوں گویا ہوا:

"عبداللہ بھائی! یہ سگریٹ ہے، وقتی طور پر قابلِ تفریح چیز ـــــ کوئی حرام شئے تو نہیں ہے۔ کیا تم بھی اتنے تنگ نظر ہوتے جا رہے ہو۔ اتنے بھی دین دار نہ بنو کہ ہر قسم کی تفریح سے ہی کنارہ کشی اختیار کر لو!"

میں نے کہا: "تمہارے نزدیک تفریح کا جو تصور ہے" میں اس پر سوائے افسوس کرنے کے اور کیا کر سکتا ہوں! کیا تم یہ "تفریح" مسجد میں بیٹھ کر بھی کر سکتے ہو؟"

اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اتنے میں بس سٹاپ آ گیا۔ چنانچہ ہم بس میں سوار ہو گئے۔ ہمارا سٹاپ آیا تو ہم بس سے اتر گئے اور ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر اپنی اپنی رہائش گاہ کی طرف چل دیئے۔

کافی دنوں تک ہم دونوں ایک دوسرے سے نہ مل پائے۔ شاید عمر شرمندگی کے باعث میرے پاس آنے سے گریز پا رہا' میرا اسے ملنے کو تو ویسے بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں اس سے بددل ہو گیا تھا۔ ایک دن عمر کے ماموں مجھے راستے میں ملے اور شکوہ کے انداز میں کہنے لگے: "بیٹے! کیا بات ہے؟ کافی دن ہو گئے ہیں تمہیں ہمارے ہاں چکر لگائے ہوئے! کہیں عمر اور تمہاری ناراضگی تو نہیں ہو گئی؟"

میں نے عرض کیا: "چچا جان! ایسی کوئی بات نہیں ہے' بس تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکا۔ ان شاء اللہ! میں جلد آؤں گا۔" حسب وعدہ میں دو تین روز بعد ہی ان کے ہاں جا پہنچا۔ عمر کے ماموں اس دن بھی بڑی شفقت سے پیش آئے' عمر بھی بڑے تپاک سے ملا۔ ہم کافی دیر تک مختلف امور پر باہمی گفتگو کرتے رہے۔ یوں ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ پھر سے شروع ہو گیا۔

میری پہلی فلم:

ایک روز عمر میرے پاس آیا۔ اس دن سے ہی میرا ماحول تبدیل ہونا شروع ہوا تھا اور میرے ہی ہاتھوں کی بُری کمائی کے نتیجہ میں اب یہ دن بھی آئے ہیں کہ میں بے ساختہ شاعر کی زبان سے کبھی کبھار یوں سوچتا ہوں کہ۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

لیکن پھر مجھے خیال آتا ہے کہ اب جب میں سچی توبہ کر چکا ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق ضرور میرے سابقہ گناہ معاف فرما دے گا' ان شاء اللہ!

اس نے کہا: "عبداللہ! ان دنوں شہر کے ایک سینما میں جنگلی جانوروں اور جنگلی زندگی (Wild Life) اور جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں ایک بڑی اچھی فلم لگی ہوئی ہے' جو بڑی معلوماتی ہے اور گانوں وغیرہ سے بھی "پاک" ہے۔ کیا تم اسے دیکھنا پسند کرو گے؟"

میرا فی الفور جواب نفی میں تھا۔ اس پر عمر نے مجھے قائل کرنے کے لئے اپنے طور پر پورا زور لگا دیا کہ فلم بری نہیں ہے بلکہ کافی معلوماتی ہے۔ بالاخر کچھ جنگلی حیات اور سائنسی معلومات کی کشش و دلچسپی اور کچھ عمر کے شدید اصرار کے باعث میں رضامند ہو ہی گیا۔

اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ عمر نے مجھے فلم پر مجبور کر دیا تھا تو آپ کیا کہیں گے؟ یقیناً بہت سے افراد میری تائید کریں گے' لیکن میں اب ان سے اتفاق نہیں کرتا۔ ایسے معاملات میں دین کسی مجبوری کو تسلیم نہیں کرتا۔ یہ تو سراسر میرے ذہن کی خباثت تھی۔

اسی دن ہم سہ پہر کو فلم دیکھنے نکل کھڑے ہوئے۔ جس سینما میں وہ فلم لگی ہوئی تھی' عمر نے کہا کہ وہ قریب ہی ہے۔ چنانچہ ہم پیدل ہی سینما تک جا پہنچے۔

جب ہم سینما کے بیرونی گیٹ سے اندر داخل ہوئے تو میں نے دیکھا کہ مختلف کھڑکیوں کے سامنے لوگوں (جن میں اکثریت نوجوانوں کی تھی) کی لمبی لمبی لائنیں لگی ہوئی تھیں اور ٹکٹ مل رہے تھے۔ عمر بھی ایک لائن میں لگ کر کھڑا ہو گیا اور باری آنے پر دو ٹکٹ لے کر ہم سینما ہال میں جا پہنچے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' وہ شاید ۳ بجے والا شو تھا۔

ایئر کنڈیشنڈ ہونے کی بناء پر سینما ہال خوشگوار حد تک ٹھنڈا تھا۔ تب ہال کی اکثر کرسیاں شائقین فلم سے پر ہو چکی تھیں۔ ہم بھی دو باہم منسلک کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دس پندرہ منٹوں کے بعد لائٹس گل ہو گئیں اور پردۂ سکیمیں پر قومی ترانہ لگ گیا۔ تقریباً ۹۰% افراد قومی ترانے کے "احترام" میں اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ میرا پہلا Chance تھا' اس لئے دوسروں کی دیکھا دیکھی میں بھی "احتراماً" اٹھ کھڑا ہوا۔ فلم شروع ہوئی۔۔۔ لیکن یہ کیا؟ یہ تو اردو زبان میں پاکستانی فلم تھی۔ میں نے عمر سے کہا: "یہ فلم وہ تو نہیں لگتی جو تم کہتے تھے' یہ کیسا "حادثہ" ہے؟ کہیں سینما والوں نے غلطی یا غلط فہمی سے دوسری فلم کی جگہ

پر یہ فلم تو نہیں لگا دی؟" اس نے کہا: "چلو یار! اب یہی فلم دیکھ لیتے ہیں' ٹکٹ جو لے چکے ہیں۔ اب ٹکٹ واپس ہونے سے تو رہے!" اس کا انداز گفتگو بتا رہا تھا کہ وہ مجھے نہ صرف صحیح بات بتانے سے گریزاں ہے بلکہ جیسے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔

قارئین کرام! میں تب فی الواقع بیوقوف ہی تو تھا' اگر ایسا نہ ہوتا تو میں عمر کے ساتھ سینما تک کیوں آتا! بہرحال فلم چلتی رہی اور ہم دیکھتے رہے۔ فلم میں اداکاروں اور اداکاراؤں کی ایکٹنگ (اداکاری) کے پس منظر میں کافی محنت دکھائی دیتی تھی۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزرا تو دس پندرہ منٹ کا وقفہ ہو گیا۔ لوگ اپنی اپنی پسند کی اشیاء کھانے پینے لگے' اس دوران میں ہم دونوں نے بھی کچھ Refreshment کر لی۔ فلم ختم ہوئی اور ہم سینما سے باہر نکل آئے اور پیدل ہی واپس چل پڑے۔ راستے میں عمر نے شاید سب سے پہلے مجھ ہی پوچھا تھا کہ سناؤ! فلم کیسی تھی؟ اور میرا جواب تھا کہ:

"بس عشق و محبت اور نتیجتاً شادی کی داستان ہی تھی' جسے فلمایا گیا تھا' اس کے علاوہ اور تو کچھ تھا نہیں۔ ویسے تو تم مجھے جنگلی حیات اور سائنس کے بارے میں فلم دکھانے لائے تھے!" میری بات سن کر وہ کھسیانا سا ہو کر ہنس پڑا۔ پھر ہم مختلف قسم کی گفتگو کرتے ہوئے اپنے شاپ تک آ گئے اور وہاں سے اپنی اپنی رہائش گاہ کی طرف چل دیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ماحول انسان پر زبردست انداز سے اثر کرتا ہے۔ برائی یا برائی والے ماحول کو تو شیطان ویسے بھی نہایت پر کشش بنا کر پیش کرتا ہے۔ یہی کیفیت اس فلم میں تھی۔ فلم میں نے تقریباً ناگواری سے دیکھ تو لی تھی لیکن اس ناگواری کی شدت فلم کے اختتام پر وہ نہیں تھی جو آغاز میں تھی' بلکہ اس میں بہ تدریج کمی آتی چلی گئی تھی۔ میں نے ایک جگہ ایک حدیث پڑھی تھی' جس کا مفہوم یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق ایمان گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے' یہاں میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ تب میرا ایمان بھی پہلے سے کمزور تر ہو چکا تھا۔ شیطان کا حملہ کامیاب تھا' اس لئے فلم کسی حد تک مجھے اچھی ہی لگی تھی۔

مرض بڑھتا گیا۔۔۔!

اس کے بعد تو شیطان کا مجھ پر مکمل غلبہ طاری ہو گیا اور میں اور عمر نے دھڑا دھڑ فلمیں دیکھنا شروع کر دیں۔ انگریزی' اردو' پنجابی ـــــ تینوں زبانوں کی بے شمار فلمیں دیکھیں' البتہ کوئی پشتو فلم دیکھنے کا موقع نہیں ملا (اللہ تعالیٰ اب ہر قسم کی فلموں سے محفوظ و مامون رکھے' آمین)۔ میں نے بہت فلمیں دیکھیں' جن میں سے تقریباً نصف فلمیں میں نے اکیلے ہی دیکھیں' جبکہ باقی فلموں میں عمر بھی میرے ہمراہ تھا۔ ان فلموں میں سے اکثر فلموں کے اخراجات میں نے ہی اٹھائے۔ کس قدر حیرت والی بات ہے کہ جس فرد کے ذریعے سے مجھے یہ بیماری لگی' میں نے اس کا فلموں کا خرچ بھی اپنے ذمہ لیا ہوا تھا۔ لیکن یہ بات بھی تو ہے کہ اس وقت مجھے اس کا احساس بھی کب ہو سکتا تھا' تب تو میں بے شعوری کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان فلموں پر میں نے کس قدر رقم ضائع کی ہو گی! بلا مبالغہ ہزاروں روپے۔

یہ وہ رقم تھی جو والد محترم کی نیک' پاک اور حلال کمائی میں سے مجھے مل رہی تھی اور میں اسے تعلیم کے حصول کے لئے صرف کرنے کی جگہ پر اس کا بدترین استعمال کر رہا تھا۔ اب کبھی کبھار مجھے یہ احساس تنہائی میں بے اختیار رلا دیتا ہے۔ شائد یہ گناہ کی "لذت" تھی کہ مجھے ہر فلم کے بعد "Taste" (جو حقیقتاً برائی کا مزہ / Taste of Evils تھا) میں اضافہ ہی محسوس ہوتا۔ ظاہر بات ہے کہ تب مجھے نیکی کی لذت کیسے محسوس ہو سکتی تھی! ایک امر جس کا احساس مجھے اس وقت بھی ہوتا تھا اور اب بھی اس کی یاد باقی ہے اگرچہ اب اس کی جگہ پر انتہائی احساس ندامت غالب آ گیا ہے' یہ ہے کہ میں جوں جوں فلمیں دیکھتا چلا گیا' قلب و ذہن میں ایک مردنی سی بڑھتی گئی ـــــ جیسے دل بجھتا چلا جا رہا ہو۔ میں فی الحقیقت آپ کو دل کی بات بتا رہا ہوں کہ جسے روحانی خوشی کہتے ہیں' وہ کافور ہوتی چلی گئی تھی۔

پھر میں نے بھی فلموں کو تفریح (کتنا بدترین تصور ہے) سمجھنا شروع کر دیا۔ "تفریح" کی طلب بڑھتی گئی' یوں میں گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا گیا۔ اس "تفریح" پر میں نے جو رقم ضائع کی' اس کے کم و بیش اندازے کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ وقت کا ضیاع اور اخلاق

و کردار کا بگاڑ اس کے علاوہ ہے۔

وقت کا شمار کرتے ہوئے اگر ہم ہر فلم پر اوسطاً ۵ گھنٹے مختص کر دیں تو بیسیوں دن بنتے ہیں لیکن اس وقت کا "دورانیہ" کئی سالوں پر محیط تھا۔ جہاں تک اخلاق و کردار کے بگاڑ کا تعلق ہے تو وہ سب سے بڑا نقصان ہے' ایسا نقصان جس کا شمار ہو ہی نہیں سکتا۔

صوم و صلوٰۃ کی پابندی بھی جاری رہی!

یہ پڑھ کر قارئین یقیناً تعجب محسوس کریں گے کہ میں فلمیں دیکھنے کے ساتھ ساتھ نمازوں اور روزوں وغیرہ کا اہتمام بھی کرتا رہا۔ اس اہتمام کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ متعلقہ فلم کا وقت ۳ بجے سے ۶ بجے تک ہونے کی صورت میں ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر لیتا تھا' اسی طرح فلم دیکھنے کے فوراً بعد کسی قریبی مسجد میں جا کر نماز مغرب ادا کر لیتا۔ رمضان المبارک میں یا تو فلم دیکھنے سے احتراز ہی کرتا اور اگر کسی فلم کو دیکھنا "ناگزیر" بھی محسوس ہوتا تو پھر آخری شو جو رات کے ایک بجے کے قریب ختم ہوتا' دیکھا جاتا۔ فلم شروع ہونے سے پہلے یا ختم ہونے کے بعد نماز عشاء بھی پڑھ لیتا۔ صوم و صلوٰۃ کی اس پابندی اور اہتمام کے پس منظر میں دراصل والدین کی دینی تعلیم و تربیت اور ایک دینی تنظیم سے تنظیمی اور فکری تعلق تھا' جس نے دین سے وابستگی کا یہ احساس اور جذبہ قلب و ذہن میں جاگزیں کر رکھا تھا۔

فرائض دین کے اہتمام میں سستی کا آغاز:

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ میں فلمیں دیکھنے کے ساتھ ساتھ صوم و صلوٰۃ کی پابندی بھی جاری رکھے ہوئے تھا' لیکن بعد ازاں اس اہتمام میں یہ تسلسل برقرار نہ رہا۔ ابتداء میں یہ دینی جذبہ موجود تھا لیکن بہ تدریج نمازوں اور روزوں کے اہتمام میں مسلسل کمی آتی گئی۔ اکثر نمازوں کی ادائیگی بلاجماعت کی صورت اختیار کر گئی' سب سے بڑی بدبختی یہ شروع ہوئی کہ اب نمازوں کو جمع کرنا میرا معمول بن گیا' یعنی دو دو' تین تین' چار چار' حتیٰ کہ پنجگانہ نمازیں میں نے اکٹھی پڑھنا شروع کر دیں۔ مثلاً ظہر' عصر اور مغرب کی نمازیں

اگر رہ گئیں تو ان کے صرف فرائض کو نماز عشاء کے ساتھ پڑھ لیا۔ ادائیگی نماز کے دوران میں خشوع و خضوع باقی نہ رہا بلکہ نمازیں رسمی طور پر پڑھی جانے لگیں۔ جہاں میں پہلے فرض نمازوں کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً نوافل بھی پڑھ لیا کرتا تھا' اب نوافل تو "غائب" ہو ہی گئے تھے' فرض نمازیں بھی "غائب" ہونے لگیں۔ میں قرآن حکیم ترجمہ و تشریح کے ساتھ پڑھا کرتا تھا' اب محض زبانی تلاوت کی باقاعدگی بھی نہ رہی۔ رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں جن مکروہات و ممنوعات سے اجتناب کیا جانا ضروری قرار دیا گیا ہے' ان کا لحاظ آہستہ آہستہ جاتا رہا۔ غض بصر کا لحاظ نہ رہا بلکہ "عمر" کی دیکھا دیکھی میں نے بھی طالبات اور نوجوان عورتوں سے نظروں ہی نظروں میں "چھیڑخانی" شروع کر دی۔ "ان" کا پیچھا بھی ہوتا رہا اور حیلوں بہانوں سے عورتوں کے جسم سے Touch کرنے کی کوششیں بھی شروع ہو گئیں۔ گانوں سے نفرت کی جگہ گانوں کی پسندیدگی نے لے لی۔ گندے ڈائجسٹ اور ناولوں (1) کا مطالعہ شروع ہو گیا۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ بہ تدریج میرے اندر سے دینی جذبہ اور دینی روح ختم ہوتی چلی گئی تھی۔

اس تبدیلی کا سبب میں اور آپ اس کے سوا اور کیا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ماحول کی تبدیلی کا نتیجہ تھا۔ مسجد اور سینما کے ماحول میں زمین اور آسمان کا فرق وہ فرد بھی اندازے سے کافی حد تک جان سکتا ہے' جس نے سینما کی حدود میں قدم بھی نہ رکھا ہو۔ خیر کی جگہ شر لے لے تو شر کے ناگزیر اثرات تو بہرحال مرتب ہوں گے۔ اجلے کپڑے پہن کر گندے جوہڑ میں چھلانگ لگانے کے بعد کپڑوں کے پاک و صاف رہنے کی توقع یا کثیر منزلہ عمارت سے نیچے چھلانگ لگانے کے بعد پھر بھی متوقع یا درپیش نقصانات سے بچنے کی امید آخر کیسے ممکن ہے!

---

(1) ناولوں کے حوالے سے یہ عجیب المیہ ہے کہ ناولوں میں اسلامی اور غیر اسلامی کی تقسیم موجود ہے۔ ایک مسلمان کو کسی بھی معاملے میں ایسی تقسیم سے آگاہ ہونا چاہئے! لیکن ناولوں کے حوالے سے یہ تقسیم دین کی رو سے درست نہیں ہے۔ ناولوں میں عموماً فرضی واقعات' اشخاص کے کردار سامنے آتے ہیں۔ ان غیر حقیقی اشخاص کے منہ سے جو الفاظ ناول کے صفحات پر بکھرتے ہیں وہ بھی غیر حقیقی ہوتے ہیں۔ دین کے اعتبار سے یہ جھوٹ ہے۔ جو دین ہنسنے ہنسانے اور مذاق میں جھوٹ کی اجازت نہیں دیتا وہ (ناولوں وغیرہ کی صورت میں) لٹریچر میں جھوٹ کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جو آدمی ناول پڑھے گا اس کا دل پھر سنجیدہ یا دینی کتب کو پڑھنے کو نہیں کرے گا۔ بے شمار تجربات اس پر شاہد ہیں" (مرتبین)

قلب وذہن میں "مومن کا جہاں اور ہے' منافق کا جہاں اور" کی بازگشت:

ایک دن میں فلم دیکھنے کے بعد سینما سے نکل کر نماز پڑھنے کے لئے قریبی مسجد میں گیا۔ اب مجھے یہ بالکل یاد نہیں آرہا کہ وہ کون سی نماز تھی؟ بہرحال نماز پڑھنے کے بعد مسنون دعاؤں سے فارغ ہو کر میں نے دعاء مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دعا کے دوران میں یہ دعا بھی مانگی کہ "اے اللہ! مجھے نفاق سے بچے رہنے اور علم و عمل کی دورنگی سے دور رہنے کی توفیق عطا فرما' آمین!" منافقت سے بچنے کی یہ دعا میں نے پہلی بار نہیں مانگی تھی بلکہ فرائض نماز کی ادائیگی کے بعد جب بھی اللہ تعالی سے دعا مانگتا' یہ دعا اکثر اوقات میں مانگا کرتا تھا۔ کیوں کہ میں نے پڑھ اور سن رکھا تھا کہ منافق کو جہنم میں سب سے زیادہ سخت عذاب دیا جائے گا اور منافقین جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے! اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ! دعا سے فارغ ہو کر جب مسجد سے باہر نکلا تو راستے میں چلتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ میں نے اللہ تعالی سے اس دعا کی قبولیت کی درخواست تو کردی ہے لیکن اپنے عمل کو خالص نہیں کیا' تو اسے شرف قبولیت کیسے نصیب ہو گا؟ اس لئے کہ علمائے دین سے یہی سنتے آئے ہیں کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی رو سے دعا کی قبولیت کے لئے پر خلوص عمل کا ہونا لازمی ہے' ورنہ دعا بارگاہ الہی سے رد ہو جاتی ہے۔ پھر میں نے سوچا کہ جب ایمان اور نفاق (منافقت / دورنگی) برابر نہیں ہیں اور "مومن کا جہاں اور ہے' منافق کا جہاں اور" تو پھر میرا خود کو گمراہی کی ان بھول بھلیوں میں الجھائے رکھنا آخر کس طرح نفع بخش ثابت ہو گا؟ ظاہر ہے کہ اگر میرا یہی حال رہا تو میں دنیا اور آخرت کی سزاؤں اور عذابوں سے ہرگز نہیں بچ سکوں گا' العیاذ باللہ! اس خیال کا آنا ہی تھا کہ میں فی الواقع بہت پریشان و متفکر ہو گیا۔ ویگن کا سفر کرتے ہوئے بھی سوچ وبچار کا یہ سلسلہ جاری رہا' یوں اسی کیفیت میں میں اپنی رہائش گاہ پر پہنچا۔ کھانا کھایا' نماز عشاء پڑھی اور فوراً سو گیا' کہ ذہنی پریشانی اور طرح طرح کے خیالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے نیند بہت ضروری تھی۔

ذہنی کشمکش کا آغاز:

اگلی صبح نیند سے بیدار ہوا تو رات والے احساس و فکر کے اثرات جو ذہن پر کسی حد

تک موجود تھے' بہ تدریج محو ہوتے گئے' اور پھر اس زندگی کے ہنگاموں میں ذہن سے حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ میں بھول ہی گیا کہ میں کبھی اس طرح پریشان بھی ہوا تھا۔ یوں سمجھیں کہ میں اس مقام سے بہت دور چلا گیا' جہاں سے مجھے ان پریشان کن خیالات نے آگھیرا تھا۔ ان ہی دنوں میں شہر کے ایک "مشہور سینما" میں ایک ایسی انگریزی فلم لگی' جس میں ناظرین کے لئے بڑی کشش موجود تھی۔ چنانچہ میں بھی سہ پہر کو سینما میں موجود تھا۔ میں ٹکٹ لے کر سینما ہال میں جا پہنچا۔ میں اس سینما میں ایک طویل عرصے کے بعد فلم دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے آخری بار جب میں نے اس سینما میں فلم دیکھی تھی' تو سینما کی حالت کافی بہتر تھی۔ تب وہ سینما ہال ایئرکنڈیشنڈ تھا اور اس میں موجود کرسیاں بھی کافی اچھی حالت میں تھیں۔ لیکن اب سینما ہال کی عجیب ہی حالت تھی۔ ایئرکنڈیشنڈ سسٹم غائب تھا' سائیڈوں پر لگے ہوئے پنکھے انتہائی بوسیدہ ہو چکے تھے' ان کی ہوا مناسب طور پر شائقین فلم تک نہیں پہنچ رہی تھی اور وہ پسینے میں شرابور رہتے۔ کرسیاں کافی حد تک ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں اور بیٹھنے والوں کو بار بار "ورزش" کروا رہی تھیں۔ یہ حالت میں سینما ہال کے سب سے مہنگے ٹکٹ والے حصے ــــ جسے گیلری کہا جاتا ہے ــــ کی بیان کر رہا ہوں۔ باقی حصے کی حالت جو ہو گی اس کا اندازہ آپ بہ خوبی لگا سکتے ہیں۔ سینما کے کارندوں کی طرف سے دی گئی Service بھی اچھی نہ تھی۔ گیلری کا ٹکٹ شائقین کو ۳۰ روپے میں ملا جبکہ اس پر کل رقم ۲۳ روپے درج تھی۔ فلم شروع ہونے کے بعد ہال میں جو ٹکٹ چیکر آیا' اس کا لب ولہجہ بھی بڑا جارحانہ اور گستاخانہ تھا۔ فلم شروع ہوئی تو اس دوران میں کئی بار بجلی آف ہوئی۔ Sound System بھی خراب تھا۔ قریباً ایک گھنٹے تک مختلف فلموں کے ٹریلر چلنے کے بعد وقفہ ہوا اور اس کے بعد اصل فلم شروع ہو گئی۔ فلم کو شروع ہوئے ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا ہو گا کہ گیلری کا دروازہ کھلا' میں نے ادھر توجہ مبذول کی تو میں نے دیکھا کہ پولیس کے دو سپاہی اچانک اندر داخل ہو کر قریبی خالی دو کرسیوں پر براجمان ہو چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی فلم کا خاتمہ کر دیا گیا' حالانکہ ابھی مزید ایک گھنٹہ فلم کو چلنا تھا۔ پولیس کے ان سپاہیوں کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ بھی سینما کی انتظامیہ سے ملے ہوئے ہیں' یقیناً اسی بہانے کی آڑ میں فلم ختم کر دی گئی تھی۔ اس وقت فلم ایک ایسے مرحلے پر پہنچ چکی تھی' جس میں کچھ

ایسے مناظر دکھائے جا رہے تھے جنہیں بیہودہ' شرمناک اور قابل گرفت و مذمت ہی کہا جاسکتا ہے۔ اس ساری صورت حال سے میں بڑا دل برداشتہ ہوا بلکہ میں نے محسوس کیا جیسے اسی وقت فلموں سے میرا دل نفرت کی حد تک اچاٹ سا ہو گیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ مقررہ شرح سے زائد رقم لے کر بھی فلم پوری نہیں دکھائی گئی بلکہ اس کے کچھ اور عوامل تھے' جن میں سے اہم عوامل کے بارے میں میں عرض کرتا ہوں:

⟵ سب سے اہم بات جس سے مجھے فلموں سے نفرت اور صراط مستقیم کی طرف دوبارہ راہنمائی ملی' یہ تھی کہ فلم کے دوران میں بہ ظاہر پولیس کے دو سپاہیوں سے ڈر کر سینما کی انتظامیہ نے فوری طور پر فلم بند کردی۔ اس سے مجھے اچانک خیال آیا کہ ان کو پولیس کے سپاہیوں کا خیال تو آگیا لیکن اللہ مالک الملک کے ڈر کا خیال نہیں آیا جو تمام انسانوں کا خالق اور رازق حقیقی ہے۔ ان کی یہ دورنگی مجھے بالکل اچھی نہ لگی۔ پھر میں نے سوچا کہ دورنگی کا شکار تو میں خود بھی ہوں۔ میں ایک طرف دین سے تعلق بھی رکھتا ہوں اور دوسری طرف دانستہ طور پر ان امور کا بھی مرتکب ہو رہا ہوں جن سے اسلام نے منع کیا ہے۔ کیا یہ اس سے بدتر دورنگی اور منافقت نہیں ہے؟ ان لوگوں کا تو دین سے واجبی سا تعلق بھی نہیں ہے جبکہ میرا دینی تعلق کسی حد تک واجبی ضرور ہے۔ اگر وہ نام کے مسلمان ہیں تو میں تو عملی مسلمان ہونے کا کچھ نہ کچھ دعویٰ رکھتا ہوں۔ اس طرح فلموں کے ماحول کی یہ دورنگی میرے تائب ہونے کا شاخسانہ بن گئی۔

قارئین! اب اگر کوئی فرد خود پر یہ تجربہ (جس سے مجھے سابقہ پیش آیا تھا) دوھرانے کے لئے فلمیں دیکھنا شروع کردے تو اسے نرم سے نرم الفاظ میں بھی بدترین سادہ لوحی اور حماقت ہی کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر ایک فرد کو فلموں کے گندے ماحول نے دل برداشتہ کرکے راہ حق کی طرف مائل کیا ہے تو دوسروں کے ساتھ بھی لازماً ایسا ہی ہو۔ عین ممکن ہے کہ وہ فرد برائی کے سمندر میں ڈوبتا چلا جائے اور پھر اپنی زندگی میں اسے توبہ کرنے کا موقع ہی نہ ملے۔

⟵ دوسرا فلموں اور سینماؤں کا ماحول تھا' جس کی بناء پر میں سینما کی دنیا سے متنفر ہوا۔ انگلش فلموں کو ہی لے لیجئے! میں صریح طور پر کہوں گا کہ کوئی ایک بھی انگریزی فلم ایسی

نہیں ہو گی جسے کوئی باغیرت شخص اپنی ماں' بہن' بیوی یا بیٹی تو کجا اپنے نوجوان بیٹے یا بھائی وغیرہ کے ساتھ بیٹھ کر دیکھ سکے۔ جس کی دینی غیرت کا خاتمہ ہو چکا ہو' اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دل میں جو سمائے گا' وہی کرتا پھرے گا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے بہت سی انگریزی فلموں میں بے غیرت والدین (ماں اور باپ دونوں) کو اپنے بیٹوں' بیٹیوں اور بہوؤں کے ساتھ' شوہروں کو اپنی بیویوں اور بہنوں کے ساتھ انتہائی عریاں اور گندی ترین فلمیں دیکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس موقع پر کم از کم میں نے ان کے چہروں پر ندامت کا ہلکا سا بھی احساس یا تاثر محسوس نہیں کیا۔ اب تو اردو اور پنجابی فلموں میں بھی عریانی وفحاشی کا یہ سیلاب کافی پھیل رہا ہے۔ تائب ہونے سے پہلے میں خود بہت سی فحش اور نیم عریاں اردو اور پنجابی فلمیں اسی ماحول میں دیکھ چکا ہوں۔ اب تک یقیناً اس فحاشی اور عریانیت کی شدت میں اضافہ ہی ہوا ہو گا' العیاذ باللہ!

پھر دل نے پلٹا کھایا!

گزشتہ صفحات میں میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ کس طرح مجھے ایک مخصوص سینما میں ایک انگلش فلم دیکھنے کے دوران میں ناخوشگوار تجربہ ہوا۔ اس تجربے کے مختلف مراحل کے مشاہدات نے میرے دل ودماغ پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے' جن کے نتیجے میں فلموں سے نفرت ہی میرا حاصل تھا۔ جب میں سینما سے باہر نکل رہا تھا تو میں دل میں یہ عزم کر چکا تھا کہ اب آئندہ کبھی بھی سینما کی دنیا کی طرف نہیں آؤں گا اور فلم چاہے کسی زبان اور کسی نوعیت کی بھی ہو گی' میرے اس عزم کو ختم نہیں کر سکے گی' ان شاء اللہ! اسی وقت ہی میں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ اللہ کی توفیق ونصرت سے میں حتی الامکان سینماؤں اور فلموں کی دنیا کے اس میٹھے زہر کو ختم یا کم کرنے کے لئے اپنے طور پر سرتوڑ جدوجہد کروں گا جو غیر محسوس انداز میں افراد قوم کے ذہنوں میں اتارا جا رہا ہے (یہ آپ بیتی بھی میں نے اسی مقصد کے پیش نظر لکھی ہے)۔ اس کے ساتھ ہی میرے قدم قریبی مسجد کی طرف اٹھ گئے۔ مسجد میں جا کر میں نے دو نفل نماز شکرانہ ادا کئے اور پھر نماز ادا کی۔ بعد ازاں اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کی کہ وہ مجھے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور دین پر آئندہ استقامت

بخشے' آمین!

تب میں پوری طرح مطمئن ہو گیا۔ اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ استقامت دین اور فروغ دعوت دین کے ساتھ ساتھ "ملیریا کے بخار" میں کی کی جو بھی کوششیں کروں گا' وہ ان شاء اللہ! میرے گناہوں کا کافی حد تک ازالہ ضرور کریں گی۔ میں پورے شرح صدر سے اپنے موقف پر قائم ہوں اور مقدور بھر سعی وجہد بھی کر رہا ہوں۔ عمر —— میرا "دوست" جس نے مجھے اس بری راہ پر ڈالا تھا' سے ملے ہوئے مجھے کئی سال ہو چکے ہیں۔ مجھے اب اس کے کردار سے شدید نفرت ہے۔ ایک دوبار وہ مجھے سرراہ ملا اور اس نے اپنے ہاں آنے کی دعوت بھی دی ہے' لیکن میں نے اکثر واضح الفاظ میں اس کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار تو نہیں کیا لیکن اس کی دعوت قبول بھی نہیں کی۔ چنانچہ میں اسے ملنے کے لئے نہیں گیا۔ وہ بھی یقیناً اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نہ صرف اسے ملنے سے دانستہ طور پر گریزاں ہوں بلکہ اسے پسند بھی نہیں کرتا۔ شاید اسی بناء پر وہ بھی میرے پاس سالہاسال سے نہیں آیا۔ البتہ اگر اس سے آئندہ کسی جگہ اچانک ملاقات ہو گئی تو اسے بھی راہ راست کی طرف لانے کی اپنی سی کوشش ضرور کروں گا' ان شاء اللہ! اللہ رب العزت مجھے' عمر کو اور دیگر تمام مسلمانوں کو ہر قسم کے رذائل و خرافات سے محفوظ فرمائے اور ہدایت کا راستہ اپنانے کی توفیق بھی دے' آمین!

سینما کو "آخری سلام":

اب میرے روز و شب کے معمولات اور لائف سٹائل میں خاصی تبدیلی آچکی ہے۔ گزشتہ بدترین زندگی کے بارے میں الحمدللہ! میں زبردست احساس ندامت رکھتا ہوں' تاہم اپنے "کل" کو بہتر سے بہتر بنانے کا امید بھرا جذبہ بھی میرے دل میں موجزن ہے۔ تائب ہونے کے بعد کی بات ہے' ایک دن میں شہر کی ایک معروف سڑک پر پیدل ہی چلا جا رہا تھا۔ مجھے ایک جگہ کچھ کام تھا۔ چلتے چلتے راستے میں ایک سینما کے قریب سے گزرا (جس میں زیادہ تر انگلش فلمیں ہی دکھائی جاتی تھیں) تو میں نے دیکھا کہ سینما کے باہر ایک انگلش فلم کا بڑا سا بورڈ (پورٹریٹ) لگا ہوا تھا۔ شو کا ٹائم بھی قریباً ہو چکا تھا۔ پورٹریٹ کی اشتہاری

"Paintings" اور فلم کے نام سے یوں ظاہر ہوتا تھا کہ فلم بڑی "Attractive." ہے۔ ایک لمحے کو فلم دیکھنے کے لئے میرا دل مچلا لیکن پھر اپنی توبہ اور فلم نہ دیکھنے کا عہد یاد آ گیا۔ تب میں نے فلم دیکھنے کی خواہش کو کلی طور پر دل سے نکال دیا اور سینما کو "آخری سلام" کرتا ہوا تیز تیز قدموں سے آگے نکل گیا۔ راستے میں میں نے سوچا کہ کیا یہ فی الواقع میں ہی تھا؟ جس نے اس قدر بے پرواہی سے سینما کو "آخری سلام" کیا تھا! تب مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کی ہی ذات گرامی ہے جو مولفتہ القلوب ہے۔ وہی ستار العیوب اور غفور و رحیم ہے' وہی صراط مستقیم کی طرف انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے' وہی ان کو نیکی کی ہدایت عنایت فرماتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے میرے قلب وذہن میں خیر کے بیجوں کو بار آور ہونے کی توفیق دی۔ یوں ایک بہت گناہگار فرد کو اسلامی انقلاب کی طرف پیش رفت کرنے کا موقع مل گیا' وللہ الحمد!

سینما کی دنیا کا ایک مختصر جائزہ:

جن لوگوں کو سینما میں جا کر فلم / فلمیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے' وہ بہ خوبی جانتے ہیں کہ سینما کی دنیا کیسی ہوتی ہے اور سینما کے ماحول اور بیرون سینما کے ماحول میں کس قدر فرق واقع ہوتا ہے؟ جو افراد سینما کی اس دنیا سے واقف نہیں ہیں (مجھے امید ہے کہ اللہ کے فضل سے اس کتاب کے بیشتر قارئین سینما کے گندے ماحول سے بچے ہوئے ہوں گے' ان شاء اللہ) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس کتاب کے ذریعے سے ان احوال کو جان جائیں تاکہ وہ سینما کے قریب پھٹکنے سے بچے رہیں' اور جو لوگ سینما میں جاتے ہیں یا پہلے کبھی جاتے رہے ہیں وہ بھی درج ذیل معروضات پر غور کریں! غالب حد تک یہ امکان ہے کہ سینما میں جا کر فلمیں دیکھنے والے افراد نے کبھی اس امر پر غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی ہو کہ سینما میں کیا واقعی تفریح (Entertainment) مہیا کی جاتی ہے' یا معاملہ کچھ اور ہے؟ اگر وہ تھوڑی دیر کے لئے اس بات پر سنجیدگی سے غور کر لیں تو انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ سینما تفریح کی جگہ نہیں ہے بلکہ یہ تو اس غلیظ ماحول کو معاشرے میں عام کرنے میں پیش پیش ہے' جس نے معاشرے میں اخلاق و کردار کی ابتری پھیلا رکھی

ہے اور پاکیزہ روایات کی جگہ پر شرہی کو فروغ دیا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ان کے ذہن میں تفریح کا جو تصور (.Concept) ہے وہ ہی درست نہیں ہے۔ جب میں سینماٹوگرافی کے گندے ماحول میں "پھنسا" تھا' تب سینما کے تفریح ہونے کا تصور میں بھی رکھتا تھا۔ حالانکہ تفریح ذہنی سکون اور دلی فرحت عطا کرتی ہے اور تفریح تو پاکیزگی کی حامل ہوتی ہے۔ لیکن افسوس کہ موجودہ دور میں "تفریح" کا بالکل غلط تصور لے لیا گیا ہے۔ ہر قسم کی خباثت اور شیطنت کو تفریح کے طور پر .Adopt کیا جاتا ہے (اکثر لوگوں کا یہی حال ہے)۔ یہ کیسی تفریح ہے جو پاکیزہ فکر دینے کی جگہ سراسر شر پھیلاتی ہے! تو قارئین کرام! آیئے' اب ذرا سینما کی دنیا کا مختصر طور پر ایک جائزہ لے لیں:

● جیسا کہ میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ زیادہ تر افراد سینما میں "تفریح" حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں سینماؤں میں ان کو جو "تفریح" ملتی ہے' وسیع مشاہدات کے بعد اب میں اس میں تفریح کا شائبہ تک بھی نہیں پاتا۔ آپ کسی معمولی پڑھے لکھے فرد سے بھی تفریح کے بارے میں پوچھیں گے تو وہ آپ کو اپنے الفاظ اور لب و لہجے میں اس کے بارے میں بتا دے گا اور کافی حد تک اپنا مافی الضمیر بیان کر دے گا۔ وہ بھی جانتا ہے کہ تفریح وہ ہے جو آدمی اپنے اہل خانہ کے ساتھ بیٹھ کر حاصل کر سکے (اگرچہ لوگ تفریح کے حوالہ سے عموماً دنیاوی نقطہ نظر رکھتے ہیں' دین کا تصور نہیں رکھتے) یہ الگ بات ہے کہ تفریح کے بارے میں ایسے درست احساسات و جذبات رکھنے والے بے شمار بدبخت اور بے غیرت افراد اس کے باوجود اپنی فیملیز کو (بطور تفریح) فلمیں دکھانے کے لئے سینما میں لے جاتے ہیں۔ اسے ہم ان کی دورنگی (اصطلاح دین میں منافقت) ہی کہہ سکتے ہیں۔ ان کی اس دورنگی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سی فلموں میں دکھائے جانے والے مناظر یا اداکاروں اور اداکاراؤں کے بولے جانے والے وہ ڈائیلاگ جو فحش کی تعریف میں آتے ہیں' ایسے مناظر یا گانوں اور ڈائیلاگ کو وہ اپنے اہل خانہ کے درمیان گھر میں یا (سینما کے علاوہ) گھر سے باہر کسی اور جگہ پر دیکھنا' بولنا' سننا یا باہم بولا جانا ہرگز پسند نہیں کرتے۔ لیکن سینما ہال میں یا ٹی۔ وی سیٹ کے سامنے اپنے اہل خانہ یا عزیز و اقارب کے ساتھ بیٹھ کر سب کچھ "برداشت" ہو جاتا ہے۔ نہ صرف یہ صریحاً بے دینی' جہالت' دورنگی اور منافقت ہے

بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بدترین قسم کی بے غیرتی بھی ہے۔ یہ ہماری فلمی "صنعت" کا کیا دھرا ہے جس کے نتیجے میں ہماری سوسائٹی میں شرم وحیاء' غیرت وحمیت اور پاکیزگی فکر کا تصور روز بہ روز کم ہو رہا ہے اور عریانی' فحاشی' بے حیائی' بدکاری اور بے غیرتی کے مظاہر اور اثرات مسلسل فروغ پذیر ہیں۔ اس کا یہ بھی مطلب نہیں ہے کہ ہماری سوسائٹی میں اچھے لوگ بالکل ناپید ہو گئے ہیں! بلکہ خیر' بھلائی' پاکیزگی اور اچھی تہذیب چاہنے والے افراد کی ایک بہت بڑی اکثریت موجود ہے' جو خود بھی اچھائی کا ماحول پسند کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ دوسروں تک بھی مثبت اقدار کو پہنچانے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں۔ یوں وہ معاشرے میں خیر کی ترویج واشاعت میں انفرادی یا اجتماعی چینل یا نیٹ ورک (Channel Or Netwark) کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

- سینما کے حوالے سے ایک اور امر جو مجھے تب بھی شدید طور پر برا لگا اور اب بھی یہی احساس ہے' وہ قومی ترانے کے دوران میں "بانی پاکستان" اور فاطمہ جناح کی تصویر آنے پر تقریباً ۹۵% افراد کا پرجوش انداز میں تالیاں بجانا تھا۔ تالیاں بجانا دین اسلام کی رو سے بہرحال ایک گناہ کی بات ہے لیکن وہاں تالیاں دو "شخصیتوں" سے متاثر ہونے کی بناء پر بجائی جاتی ہیں۔ جس کے پس پردہ فی الحقیقت ایک بدترین قسم کی شخصیت پرستی چھپی ہوتی ہے۔ ہر دین دار فرد بخوبی جانتا ہے کہ اسلام میں ہر طرح کی شخصیت پرستی سخت ممنوع ہے۔ اس لئے کہ شخصیت پرستی سے ہی عقائد کا بیڑہ غرق ہوتا ہے اور مشرکانہ خیالات واطوار پرورش پانے لگتے ہیں۔ جہاں یہ حقیقت ہے کہ مسٹر محمد علی جناح اور فاطمہ جناح اہل پاکستان کی اکثریت کے نزدیک محترم شخصیتیں سمجھی جاتی ہیں' وہیں اس امر سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ افراد دین کے حوالے سے ہمارے لئے سند یا حکم (Authority) نہیں ہیں۔ مسٹر محمد علی جناح کی شخصیت ہو یا ایک عام مسلمان کی ـــــ سب کے لئے پیروی کا ایک ہی مدار ہے' اور وہ ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسی مدار کے گرد ایک مسلمان کی زندگی گھومنی چاہیئے۔

- میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ موجودہ دور کے سینما گھر جرائم کے فروغ کا ایک بہت بڑا ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ گناہوں' جرائم اور ہر

طرح کی خباثتوں کے سنٹر اور اڈے ہیں۔ میں یوں ہی جذباتی طور پر یہ عرض نہیں کر رہا بلکہ اس دعوے کی تائید میں میرے سینما کے طویل مشاہدات اور تجربات موجود ہیں۔ عقائد ومعاملات میں بگاڑ' فرائض دین میں سستی یا لاپرواہی' اخلاق و کردار کی جملہ خرابیاں' معاشرے میں ہر طرح کے جرائم وذمائم کی کثرت —— ان کے جہاں دیگر کئی اسباب ہوں گے وہیں "سینما ٹو مافیا" اور "فلمی صنعت" کا بھی اس میں بڑا حصہ اور عمل دخل موجود ہے۔

سینماؤں میں لوگوں' بالخصوص نوجوان نسل کا اخلاق و کردار کس طرح بگاڑا جا رہا ہے؟ اس کے لئے یہی امر اندازہ لگانے کے لئے کافی ہو گا کہ فلم دیکھنے کے دوران میں انتہائی گندی گالیوں کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے' اگر لائٹ آف ہو جائے یا کسی اور وجہ سے فلم میں تعطل پیدا ہو جائے تو خصوصاً نوجوان سینما کی انتظامیہ پر نہایت واہیات جملے کستے ہیں اور گالیاں وغیرہ دیتے ہیں! (یہاں میں سینما کی انتظامیہ / کارکنان کو بری الذمہ قرار نہیں دے رہا بلکہ وہ بھی اسی نظام کے "اہم" کل پرزے ہیں جس نے اس معاشرے میں مسلسل ہر طرح کا بگاڑ پھیلایا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بیج وہ بو رہے ہیں' اسی قسم کی فصل ان کو بھی کاٹنی پڑتی ہے۔ آخرت میں جو حشر ہو گا وہ الگ ہے' العیاذ باللہ!)۔

فلم میں اگر کوئی فحش منظر سامنے آجائے یا کسی گانے کے ایسے بول ہیرو / ہیروئن گائے جو اخلاقیات کی جڑیں کاٹ ڈالیں تو اس پر "خوش" ہو کر سیٹیاں بجائی جاتی ہیں۔ "جی اوئے! خوش کیتا ای (شاباش! تم نے خوش کر دیا ہے)' ہائے!---- وغیرہ"۔ یہ مشاہدہ جو ابھی میں نے بیان کیا ہے' کوئی دس بیس بار مجھے اس کا موقع نہیں ملا بلکہ بلا مبالغہ سینکڑوں بار ایسا ہوا ہے۔ بے شمار مرتبہ ایسے موقع پر سینما ہال میں بہت سی خواتین (مائیں' بہنیں' بیٹیاں' بیویاں) موجود تھیں۔ لیکن وہاں شرم کسے آتی اور کیسے آئے! اس سلسلہ میں محض ایک واقعہ درج کرنے پر اکتفا کرتا ہوں' جسے پڑھ کر قارئین کرام بہ خوبی سینما ہال کے ماحول کے بارے میں اندازہ لگا سکیں گے۔ شاید وہ فلم آخری فلم تھی جو میں نے دیکھی' اس میں ایک موقع پر ایسا منظر پردۂ سیمیں پر آیا جو بہرحال انتہائی فحش اور شرمناک تھا۔ اس میں دکھایا گیا تھا کہ رات سوتے ہوئے کوئی ڈراؤنی آواز سن کر ایک سات آٹھ سالہ بچے کی

اچانک آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس پر گھبراہٹ' خوف اور تجسس کی کیفیت طاری ہے۔ پھر اس نے جو منظر دیکھا' اسے دیکھ کر اس کے رہے سہے اوسان جواب دے جاتے ہیں اور وہ اپنے بیڈ سے بھاگ کر اپنے پاپا اور ممی کے بیڈ تک جا پہنچتا ہے اور ان کو جگاتا ہے۔ وہ دونوں اس وقت جاگ رہے ہوتے ہیں۔ جب وہ گھبراہٹ میں ان کو اپنی بپتا سناتا ہے اس وقت وہ دونوں میاں بیوی ایک ہی بیڈ پر اکٹھے لیٹے ہوئے تھے۔ تب وہ انہیں بتاتا ہے کہ ایک جانور فلیٹ کی کھڑکی کے باہر سے مجھے گھور رہا ہے۔ تو وہ بھاگتے ہوئے کھڑکی تک جا پہنچتے ہیں-----

تھوڑے سے تدبر و تفکر سے ہم اس واہیات منظر سے جن نتائج تک پہنچ سکتے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) یہ امر بلا تردید ہے کہ ایسی فلمیں / مناظر پیش کر کے صلیبی' یہودی اور دنیا کی دیگر کافر و مشرک اقوام و تہذیبوں کے مقتدر افراد یا حلقے مسلم معاشروں اور ملکوں و اقوام میں بھی گندی تہذیب کو رواج دینا چاہتے ہیں' اور اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت و ترویج کو روکا جائے۔

(۲) وہ اسلام کے قانون و فلسفہ جہاد سے شدید خائف ہیں' جس کے زیر اثر وہ مسلم معاشروں و ممالک کے نوجوانوں / جوانوں کے اخلاق و کردار کو بگاڑ کر ان کو جذبہ جہاد سے عاری کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بہ خوبی جانتے ہیں کہ کتاب و سنت کی بنیاد پر کام کرنے والی جہادی اور دینی تحریکوں میں ہمیشہ جواں قوت نے سرگرم کردار ادا کیا ہے۔ اس لئے اس قوت کے اخلاق اور کردار کو بگاڑے بغیر ہمارا راستہ ہموار اور ہمارا مشن تیز تر نہیں ہو سکتا۔

وطن عزیز میں سینما کے ماحول کو پروان وہی "مسلمان" چڑھا رہے ہیں جو مرتے دم تک کافرانہ انداز و اطوار بھی اختیار کئے رہیں گے اور پوری ڈھٹائی سے اپنے تئیں ان کا مسلمان اور محب وطن و محب قوم ہونے کا دعویٰ بھی موجود رہے گا۔ ملت یہود و نصاریٰ کو ہر دور میں ایسے "مسلمانوں" ہی کی تلاش اور طلب رہی ہے اور اب بھی ہے۔ یہی "مسلمان" ہر طاغوت کو مطلوب بھی ہیں اور نہایت آسانی سے طاغوتی قوتوں کے دجل اور دام ہائے فریب میں بھی آ جاتے ہیں۔ ان ہی کو دیکھ کر ہی علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف یہ "مسلمان" بھی قصوروار ہیں بلکہ ان سے زیادہ وہ پیٹ پرست اور قبرپرست مولوی مجرم ہیں جنھوں نے محض پیٹ کی خاطر لوگوں کو "قل، ختم، تیجے، ساتے، رسم دسواں، چہلم، برسی، (غیراللہ سے) نذرونیاز اور ایسی ہی دیگر بدعی رسموں اور غیراسلامی افعال کا پابند بنا رکھا ہے۔ ان خرافات اور بدعات کے تصور نے ہی لوگوں کی اکثریت کے عقائد میں شدید درجے کا ضعف اور بگاڑ پیدا کیا ہے۔ نتیجتاً ہم دیکھتے ہیں کہ "مسلمانوں" کی اکثریت یہ سمجھ کر ہر قسم کی بدی کا شکار ہے کہ "کوئی بات نہیں! مغفرت ہو ہی جائے گی۔ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین ہیں، اور پھر جب قل، ختم، ساتے اور چہلم وغیرہ کی ادائیگی ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ یوں لازماً گناہ معاف ہو جائیں گے۔" اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان بدعات و خرافات اور غیراسلامی افکار وتصورات سے بچائے، آمین!

معاشرے پر فلموں کے اثرات:

اگر ایک عام آدمی سے جو ان پڑھ ہو آپ یہ سوال کریں کہ معاشرے پر فلموں، ڈراموں، رقص و موسیقی اور گانوں وغیرہ نے کیا اثرات مرتب کئے ہیں؟ تو وہ بھی بڑے آرام سے یقیناً اسی طرح کا اظہار خیال کرے گا کہ "بھائی! کیا پوچھتے ہو! کیا آپ اس بارے میں انجان ہیں؟" لیکن اگر آپ اس سے یہ امر دریافت کرنے پر اصرار کریں تو وہ بھی کم وبیش وہی کچھ کہے گا، جو ایک دین دار اور متقی شخص کہہ سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ فلموں، ڈراموں، رقص وموسیقی اور گانوں وغیرہ نے پختہ عمر کے افراد کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ بچوں اور نوجوان نسل (مرد وزن دونوں) کو بالخصوص بگاڑ دیا ہے۔ ان سب کا اخلاق و کردار تباہ ہو گیا ہے۔ شرم وحیاء، عفت وعصمت اور پاکیزہ اخلاق و کردار کا تصور تقریباً معدوم ہونے کو ہے۔ خاندانی زندگی تباہ ہوتی جا رہی ہے۔ زناکاری، لومیرج، عریانی وفحاشی، بے حیائی اور دیگر اخلاقی قباحتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ لوگوں کے .Trends تبدیل ہو گئے ہیں،

وغیرہ۔ لیکن اگر آپ یہی سوال کسی ایسے شخص سے پوچھیں جس کی ساری عمر سینما اور فلموں کے ماحول میں ہی بسر ہوئی ہے یا وہ فلمی صنعت کے کسی شعبے سے تعلق رکھتا ہے' تو وہ بھی چاہتے یا نہ چاہتے ہوئے بالآخر ایسے ہی خیالات کا اظہار کرے گا۔

تو کیا آپ اسے "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کے سوا کوئی اور عنوان دے سکیں گے؟ یقیناً ہرگز نہیں!

ہمارے ہاں شادی کے موقع پر وڈیو فلم بنوانے کی بھی ایک وباء موجود ہے' جسے فلموں کے "ذوق و شوق" کا ایک بدیہی اثر یا نتیجہ کہا جاسکتا ہے۔ شادی کی وڈیو فلم بنوانے کی بے شمار قباحتیں اور دینی و دنیاوی نقصانات موجود ہیں' جن سے بہرحال کوئی باہوش آدمی انکار نہیں کرسکتا۔ یہاں صرف ایک پہلو کا تذکرہ کرنا مطلوب ہے:

۱۳ جنوری ۱۹۹۳ء کے روزنامہ "پاکستان" کے اندرونی صفحہ پر ایک خبر شائع ہوئی' جس کا عنوان تھا "شریفوں کا مجرا"۔ اس کی ذیلی سرخی یوں تھی:

"شریف زادیوں کے رقص کی وڈیو کیسٹ بازار میں آگئی۔"

اس کی تفصیل اور اپنے تنقیدی نکات بیان کرتے ہوئے ماہنامہ "مجلہ الدعوۃ" لاہور کی فروری ۱۹۹۳ء کی اشاعت میں محمد الیاس صاحب نے یوں لکھا:

"ایک اور گھناؤنے کاروبار کا آغاز کہ جس سے شیطان بھی مات کھا گیا' آپ کو معلوم نہیں تو ہم یاد کرائے دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے گھر میں خوشی کی جس تقریب میں مسرتوں کے لمحات کو وڈیو فلم والوں سے محفوظ کرایا تھا' ان میں سے بعض وڈیو سنٹرز کے مالکان نے اس تقریب کے گیت' پاکستانی و انڈین فلمی گانوں کے فحش مناظر کے ساتھ ملا کر ایک نئی کیسٹ "شریفوں کا مجرا" کے ٹائٹل سے مارکیٹ میں پیش کردی ہے۔ ان دنوں یہ کیسٹ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد' راولپنڈی' جہلم اور لاہور کے ساتھ ساتھ دیگر متعدد شہروں میں فروخت ہو رہی ہے۔ منی سینما گھروں میں دکھائی جانے والی یہ کیسٹ وڈیو مالکان مخصی ضمانت پر دے رہے ہیں۔ یوں اس کیسٹ کے مارکیٹ میں آجانے سے کئی گھروں کی بہنوں بیٹیوں کے چہرے پیشہ ور مجرے والیوں کی طرح لوگوں کے سامنے آئے ہیں —— اس کا انکشاف لاہور کے ایک منی سینما گھر میں ۲۰ روپے کی ٹکٹ لے کر فلم دیکھنے والے ایک

نوجوان کی زبانی ہوا' جس نے منی سینما کے مالک کو فلم دیکھنے کے دوران میں گریبان سے پکڑ لیا تھا۔ سبب یہ معلوم ہوا کہ اس نوجوان کے بھائی کی شادی چار ماہ قبل راولپنڈی میں بڑی "دھوم دھام" سے کی گئی تھی اور خوشی کی اس تقریب میں مذکورہ نوجوان کی اپنی بہن نے بھی ڈانس کیا تھا۔ وہاں ویڈیو فلم بنانے والوں نے اس ناچ گانے کو بھی "شریفوں کا مجرا" میں شامل کر دیا تھا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق اس وقت ایک درجن سے زائد "شریفوں کے مجرے" منی سینما گھروں میں چل رہے ہیں۔ گزشتہ دو سالوں کے دوران میں ہونے والی بعض تقریبات کے پروگرام ان ویڈیو کیسٹوں میں شامل کیے گئے ہیں۔ جو لوگ بعض ویڈیو سنٹر مالکان کے اس گھناؤنے کاروبار سے آگاہ ہو چکے ہیں وہ اب تقریبات کی ویڈیو فلم بنوانے میں احتیاطی تدابیر اختیار کر رہے ہیں۔

ہمارے ملک میں غیر شرعی رسموں کی بھرمار ہے۔ "رسم حنا" میں صرف لڑکیاں ہی حصہ لیتی ہیں اور گھروں میں یا سڑکوں وغیرہ پر ڈانس کرتی دکھائی دیتی ہیں' جس کی ویڈیو فلم بنتی ہے۔ ان لڑکیوں کی ٹیم کے ساتھ خاندان کے ایک یا دو بزرگوں کو باڈی گارڈ کے طور پر ساتھ کھڑا کر دیا جاتا ہے' وہ بے غیرتوں کی طرح اپنی عزتوں کو سرِبازار نچاتے ہوئے ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔

مسلمانوں کی اکثریت نے ٹی وی اور وی۔ سی۔ آر کو اپنی زندگی میں اس طرح داخل کر لیا ہے کہ اس کے بغیر وہ اپنی زندگی کو نامکمل سمجھتے ہیں۔ اگر ٹی۔ وی اور وی۔ سی۔ آر نہ ہو تو زبردست کمی محسوس کی جاتی ہے۔ آج کل نوجوان دنیا بھر کے تمام کنجر اور گلوکاروں' مراثیوں اور بھانڈوں سے واقف ہیں' اگر ان سے احادیث کی کتب کے نام یا ٹھوس دینی معلومات پوچھی جائیں تو ان کا جواب نفی میں ہو گا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

ہماری نوجوان نسل کے ہیروز کنجر' بھانڈ' فلمی اداکار اور گلوکار ہیں' معاذاللہ!

کبھی مسلمان نوجوان کے ہیروز خالد بن ولید رضی اللہ عنہ' سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ' محمد بن قاسم' سلطان محمود غزنوی اور ٹیپو سلطان رحمہم اللہ تعالیٰ ہوا کرتے تھے' اور اب۔۔۔؟ فاعتبروا یا اولی الابصار!

جب سے ٹی۔ وی عام ہوا ہے' فیشن اور بے پردگی میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ مرد

اور عورتیں ان کنجروں کی نقل کرتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ جو برائیاں لوگ پہلے سینما اور ٹی۔ وی پر دیکھتے ہوئے شرم محسوس کرتے تھے اور چھپ چھپا کر دیکھتے تھے' وہ سب برائیاں اب آہستہ آہستہ رواج بن رہی ہیں۔

یہ سب فحاشی ان گندے ڈراموں اور گندی فلموں کی وجہ سے ہے جو ٹی۔ وی' سینما اور وی۔ سی۔ آر کے ذریعے سے دیکھی جاتی ہیں۔

سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

"اس میں کوئی شک نہیں کہ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمانداروں میں فحاشی فروغ پائے' ان کے لئے دنیا میں بھی تکلیف دہ عذاب ہے اور آخرت کے دن بھی ---- (سورۃ النور' آیت:۱۹)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو مسلمان ان کنجر خانوں سے نفرت کرتے ہیں' ان کو مزید استقامت عطا فرمائے اور دوسرے مسلمانوں کو ہمت دے کہ وہ اس سے نجات حاصل کر سکیں (آمین)" (ماہنامہ "مجلۃ الدعوہ" لاہور' شمارہ فروری ۱۹۹۳ء صفحہ:۸'۹)

محمد الیاس صاحب کی اس تحریر میں سینما کے مالک کا گریبان پکڑنے والے جس نوجوان کا ذکر موجود ہے' اس نے بالیقین درست کیا تھا لیکن افسوس کہ وہ اپنا گریبان نہ پکڑ سکا یا اپنے گریبان میں نہ جھانک سکا۔ اس لئے کہ وہ بھی برابر کا مجرم تھا۔ اپنے گھر میں کنجر خانوں کا ماحول روکنے میں اس کا کیا کردار تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ غیرت کا اصل مظاہرہ تو یہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں کنجروں کی روایات اور خرافات کو داخل نہ ہونے دیتا۔

قارئین کرام! براہ کرم درج ذیل سوالات پر غور فرمائیں:

1. معاشرے میں پھیلی ہوئی عریانی و فحاشی' بے حیائی' بدکاری' بے پردگی کو آپ کس تناظر میں دیکھتے ہیں؟
2. خواتین بالخصوص بالغ طالبات "بن ٹھن" کر گھروں میں سے باہر کیوں آ رہی ہیں؟ نیز "بن ٹھن" کر باہر نکلنے والی خواتین کی تعداد میں مسلسل اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟
3. بالغ طالبات کا "پیچھا" اور ان سے گفت و شنید کرنے کیلئے نوجوان لڑکے تمام حربے کیوں استعمال کرتے ہیں؟ جبکہ ان کو پتہ ہے کہ ہمارے گھر میں بھی ماں' بہن وغیرہ

موجود ہیں' تو ان کے ذہنوں میں یہ احساس کیوں جگہ نہیں لے پاتا کہ جن کا ہم "پیچھا" اور ان سے "چھیڑ چھاڑ یا شوخیاں" کر رہے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ہماری بھی بہنیں ہیں؟

۴ "Sex." کی وباء کا احساس معاشرے میں بسنے والے افراد (مرد و زن دونوں) کے ذہنوں پر کیوں غالب ہے؟

۵ معاشرے کے اندر بہت سے .Young Men And Women کی باہمی "نظربازی" اور پھر "عشق و محبت" تک معاملہ جا پہنچنے کے اسباب کی آپ کیا توجیہہ کریں گے؟ (یہ الگ بات ہے کہ اس نوعیت کی "نظربازی" یا "عشق و محبت" کی اجازت دینا تو درکنار' ان امور کا تصور (Concept) بھی لوگ اپنی بہنوں' بیٹیوں وغیرہ کے سامنے نہیں آنے دیتے' اور یقیناً وہ ایسا درست کرتے اور سمجھتے ہیں' مگر دوسروں کی بہنوں' بیٹیوں وغیرہ کے ساتھ شرمناک رویہ —— آخر کیوں؟ ان کے ساتھ ایسا رویہ دوسرے لفظوں میں بے غیرتی اختیار کرنے کے جواز کا فتویٰ آخر ان کو کہاں سے مل جاتا ہے؟)

۶ "لومیرج" (جس کی دین اجازت نہیں دیتا) کی وباء روز بہ روز کیوں پھیلتی جا رہی ہے؟ اور یہ کہ لڑکیاں گھروں سے کیوں بھاگ رہی ہیں؟

۷ خواتین بالخصوص نوجوان لڑکیوں کے لباس روز بہ روز کیوں مختصر اور تنگ تر ہوتے جا رہے ہیں؟ مجموعی طور پر دوپٹہ کیوں سروں سے اتر گیا ہے؟

۸ ہر طرح کے "فیشن" کیوں مقبول ہیں؟ اس کے مقابلے میں کتاب و سنت کی روشنی میں شعائر و فرائض دین کا التزام' دین سے رغبت' نیکیوں سے محبت اور بدیوں سے نفرت و کراہت' امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی جدوجہد اور دیگر صالح امور کے "فیشن" کیوں رواج نہیں پاتے؟ بالخصوص ایسے "فیشنوں" سے نوجوان نسل کیوں الرجک ہے؟

۹ میوزک سینٹرز کی تعداد میں ہوش ربا اضافہ اور وسعت کس بات کی نشان دہی کرتی ہے؟

10 آج وطن عزیز میں نوجوان تو دور کی بات ہے چھوٹے بچوں کی اکثریت کی زبانوں پر گانوں کے بول کیوں ہیں؟

11 متذکرہ بالا و دیگر ہمہ نوع خباثتیں روز بہ روز کیوں فروغ پذیر ہیں؟ جبکہ نیکیوں اور دیگر خیرالامور میں مسلسل کمی کیوں ہو رہی ہے؟

دینی بھائیو و بہنو! اوپر درج شدہ اخلاقی قباحتوں' مفاسد اور خباثتوں کے فروغ پذیر رجحان کے حوالے سے دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ بیہودہ فلموں' ڈراموں' گانوں اور رقص و موسیقی کے پروگراموں کا بھی بڑا "کردار" موجود ہے۔ فلم "انڈسٹری" کے تمام شعبوں میں مردوزن کا اختلاط چونکہ ازبس ضروری سمجھا جاتا ہے' اس لئے بدیہی طور پر ظاہر ہے کہ ان دونوں صنفوں کا آپس میں ملنا جلنا بہت سے مفاسد کی جڑ ہے۔ حالانکہ دین تو غیر عورت اور غیر مرد کے باہمی تعلق کی اجازت نہیں دیتا' لیکن "فلم مافیا" میں یہ بہت ضروری ہے۔

اسلام نے اگر مردوزن کا دائرہ کار الگ الگ متعین کیا ہے تو اس امر کے پس پردہ الٰہی حکمتیں اور مصلحتیں موجود ہیں۔ بے شمار افراد کو ذاتی مشاہدات سے ان کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہوا ہو گا۔ عورت کا بیشتر دائرہ کار گھر کے اندر ہے جبکہ مرد کا گھر سے باہر۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے جو بھی اپنے دائرہ کار کو پھلانگے گا' دینی و دنیاوی اور ذاتی نقصان سے بچ نہیں سکے گا۔ مفاسد اپنا کام دکھا کر رہیں گے۔ بدنظری پہلا دروازہ ہے' پھر اختلاط ہو گا' عورت کا پردہ (اگر وہ کرتی ہے تو) اترے گا' پھر دوپٹہ رخصت ہو گا' آرائش و زیبائش اور خودنمائی شروع ہو جائے گی' حتیٰ کہ (اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور کسی کے ساتھ اس کی نوبت نہ آئے!) بدکاری کے آخری مرحلہ تک بات جا پہنچے گی' وغیرہ۔ محض بدنظری کے سلسلہ میں ملاحظہ ہوں دو احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم:

1 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: "اے علی! کسی اجنبی عورت پر اچانک نگاہ پڑ جائے تو نظر پھیر لو اور دوسری نگاہ اس پر نہ ڈالو۔ پہلی نگاہ تو تمہاری ہے اور دوسری نگاہ تمہاری نہیں (بلکہ شیطان کی ہے)۔"

(ابوداؤد)

۲ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی لعنت ہو عورت کو دیکھنے والے پر اور اس عورت پر جسے دیکھا جائے۔" (بیہقی)

اسی طرح شرم وحیاء کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تم میں حیاء نہ رہے تو پھر جو چاہے سو کرو۔" (بخاری)

یہ ہیں دین فطرت ـــــ اسلام کی تعلیمات! جو انسان کو حیاء دار تہذیب عطا کرتی ہیں۔

فلموں' گانوں' رقص و موسیقی وغیرہ کے "ذوق وشوق" نے قوم کو کیا عطا کیا ہے؟ اگر سنجیدگی سے اس کی تفصیل میں جایا جائے تو انسان کا "اندر" کانپ اٹھتا ہے۔ اختصاراً عرض کرتا ہوں کہ ان امور کے شوق سے من حیث القوم کروڑوں لوگوں کا جو وقت ضائع ہو چکا ہے' اگر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جائے تو اس کا شمار ممکن نہیں' مالی' اخلاقی' دینی واخروی نقصان کا اندازہ تو بہت دور کی بات ہے۔ بہ خوبی تجزیہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر یہی وقت اور مالی وسائل جو ان بیہودگیوں میں ضائع ہوئے' بامقصد' مثبت اور جائز امور پر صرف ہوتے تو اس سے امت کو کتنا فائدہ ہو چکا ہوتا اور یقیناً یہ ملت ترقی وعروج اور داخلی وخارجی استحکام میں کتنا آگے جا چکی ہوتی! کاش! ایسا ہوا ہوتا۔

ایک دور تھا جب فلموں وغیرہ میں اس قدر عریانی وفحاشی' بے حیائی اور بیہودگی نہیں تھی' جو آج نظر آرہی ہے۔ اس "فلم مافیا" نے ہی تو والدین اور بڑوں کو اپنے بچوں وغیرہ کی دینی واخلاقی تعلیم و تربیت اور ان کے بہتر اخروی مستقبل سے بے نیاز کر دیا ہے۔ معاشرے کے اندر اگر دینی فضا نہیں رہی اور دین سے دوری بڑھتی چلی گئی ہے تو اس کے بڑے اسباب و علل میں "فلمیریا" کا ماحول بھی شامل ہے۔ لوگ آج اس دور کو یاد کر کے آہیں بھرتے ہیں کہ اس دور میں کتنی دین داری' شائستگی' اخلاقی پاکیزگی اور بلند کرداری ہوا کرتی تھی اور شرم وحیاء کی پاسداری کا کتنا زبردست احساس واہتمام کیا جاتا تھا۔ میری عمر کوئی زیادہ نہیں ہے' ابھی تقریباً پینتیس سال ہے۔ خود مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں چوتھی یا پانچویں کلاس میں پڑھتا تھا' تب لوگوں کے اندر دینی غیرت کا کافی حد تک احساس موجود تھا۔ لوگ غیراخلاقی یا شرعاً ناجائز امور و واقعات پر نہ صرف چونک جایا کرتے تھے بلکہ

حتی المقدور ان کو روکنے کی کوشش بھی کرتے تھے۔ یہ قریب تر ماضی کی بات ہے' لیکن اب دیکھا جائے تو یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ آج لوگوں کا اخلاق و کردار نہایت پست ہو چکا ہے۔ بے حسی اور جمود کی ایک کیفیت ہے' جس میں وہ واضح طور پر مبتلا نظر آتے ہیں۔

یہ درست ہے کہ یہود و نصاریٰ اور ان کے ایجنٹوں نے جو مسلمانوں کے (بلکہ اسلام کے بھی) بدترین اور ابدی دشمن ہیں' اس ملت کے اندر بگاڑ پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان اسلام دشمنوں نے اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا ہے کہ:

"جس قوم کو تم ختم کرنا چاہتے ہو' اس کے اخلاق و کردار کو بگاڑ کر ان میں اخلاقی برائیاں عام کر دو! وہ قوم اپنی موت آپ مر جائے گی۔" لیکن یہ تو بیرونی اور خارجی علت اور عنصر ہے' اگر مسلمان باغیرت ہوتے اور اپنی دینی ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہتے تو بھلا ان کی سازشیں کامیاب کیسے ہو پاتیں اور کارواں کی منزل کیسے کھوٹی ہو سکتی تھی!

وائے ناکامی! متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

میں نے شرمندگی کے ساتھ اوپر کی مذکورہ باتیں اور یہ شعر لکھا ہے' اس لئے کہ بدقسمتی سے یہ گنہگار راقم خود بھی کافی عرصہ دینی و اخروی اور مالی اعتبار سے زیاں کاری کا شکار رہا ہے' اگرچہ "دیر آید' درست آید" کے مصداق اب اللہ نے توبہ کی توفیق دی ہے' الحمدللہ!

ہمارا معاشرہ آج جس طرح خطرناک حد تک "ثقافتی یلغار" کا شکار ہو چکا ہے' اس کا ایک اور پہلو میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ کسی بھی چھوٹی عمر کے بچے چاہے وہ پڑھا لکھا ہو یا جاہل' سے مشہور انڈین گلوکاروں' گلوکاراؤں اور اداکاروں و اداکاراؤں کے نام دریافت کریں تو وہ آپ کو بہت سے نام بتا دے گا۔ لیکن اگر آپ اس سے کہیں کہ انبیاء علیہم السلام' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' تابعین اور ائمہ حدیث رحمہم اللہ میں سے صرف کسی ایک دو کے ہی نام بتا دو تو وہ ایسا کرنے سے قاصر ہو گا۔ اسی طرح وہ یہ بھی بتانے سے قاصر رہے گا کہ ارکان اسلام کتنے ہیں؟ پانچوں نمازوں کے نام کیا ہیں؟ نمازوں کی رکعتیں

کتنی کتنی ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی ایک کا نام؟ وغیرہ (الاماشاء اللہ)

پرسکون سفر کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں لیکن اب وہ بھی پرسکون نہیں رہا۔ نہایت اونچی آواز میں گانوں' اور وہ بھی بیہودہ ——— کی ریکارڈنگ (یہاں یہ بحث کرنا مطلوب نہیں کہ کون سا گانا جائز ہے اور کون سا ناجائز؟ اس لئے کہ موسیقی کے ساتھ گایا جانے والا ہر گانا چاہے اس کے کلمات یا اشعار میں کوئی بیہودگی یا عقیدتاً کوئی غیر مناسب تاثر موجود ہو یا نہ ہو' بہرحال شریعت کی نظر میں حرام اور ناجائز ہے اور اس کا مطلقاً کوئی جواز نہیں مل سکتا۔)' نوجوان و "سمارٹ" خواتین کے ساتھ بدتمیزی وغیرہ! یہ امر واضح کرنے کے لئے کافی ہے کہ سفر کرنا اب ازحد دشوار اور تکلیف دہ ہو چکا ہے۔

اب تک کے ذکر کئے جانے والے یہ سارے امور انڈین خاتون سیاستدان سونیا گاندھی کے اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں جو قریباً دو تین سال قبل اخبارات میں شائع ہوا تھا' جس میں سونیا گاندھی نے کہا تھا کہ "اب ہمیں پاکستان کو جنگ کے ذریعے سے فتح کرنے کی ضرورت نہیں رہی' ہم نے اس پر ثقافتی جنگ مسلط کر دی ہے (یعنی اسے ثقافتی محاذ پر فتح کر لیا ہے)" اگر سونیا گاندھی کو ایسا کہنے کی جرات ہوئی ہے تو اس کا موقع کس نے دیا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ خود ہم نے!

گھر کے چند بھیدیوں کی گواہیاں:

سینماؤں کے گندے ماحول اور فلموں' گانوں اور رقص و موسیقی کے معاشرے پر مرتب ہونے والے زہریلے اثرات اور دیگر قباحتوں کی نوعیت عام افراد پر بھی واضح ہو چکی ہے۔ ذیل میں "فلمی صنعت" سے تعلق رکھنے والے ایک دو ملکی و غیر ملکی گھر بھیدی افراد کی "گواہیاں" درج کی جا رہی ہیں' کہ گھر کے بھیدی کی گواہی کا مزا ہی کچھ اور ہے۔ ملاحظہ کیجئے' فلم "انڈسٹری" سے وابستہ اداکاروں اور گلوکاروں کی اپنے فن کے خلاف گواہی:

1 "تھرکتے جسموں کے ساتھ ناچ گانا ہماری نئی نسل کے لئے نقصان دہ ہے۔" (مہدی

حسن)

مہدی حسن کو یہ بات اس لئے کرنی پڑی ہے کہ لوگ اب مہدی حسن اور اس جیسے بڈھے کھوسٹ گلوکاروں کو سننا پسند نہیں کرتے بلکہ ڈسکو موسیقی پسند کرتے ہیں۔ ورنہ اس نے کوئی دینی غیرت کی رو سے یہ بات نہیں کی۔ دینی غیرت اس میں ہے ہی نہیں' کیوں کہ اگر اس میں دینی غیرت ہوتی تو وہ موسیقار نہ بنتا۔

[۲] ماضی اور حال کے مشہور بھارتی اداکار اشوک کمار نے کہا ہے کہ "آجکل کی فلموں میں سیکس' فحاشی' بے حیائی اور ننگا پن بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ موجودہ دور میں لوگ بھوکے اور پیار کے پیاسے ہو گئے ہیں کیونکہ لوگوں کے پاس اس کے علاوہ تفریح کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔" ان خیالات کا اظہار اس نے زی ٹی۔ وی کے پروگرام "ان نائٹ" میں ایک انٹرویو کے دوران میں کیا۔ ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ "۱۹۴۷ء سے پہلے عورتیں تو کیا مردوں کا بھی فلموں میں کام کرنا حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا مگر اب تو عورتیں مردوں سے بھی آگے نکل گئی ہیں۔ اس نے کہا کہ موجودہ دور کی فلموں میں اتنی گندگی آچکی ہے کہ فلم ساز ریپ تک کے سین بھی دکھا رہے ہیں۔ آزادی سے پہلے بہت صاف ستھری فلمیں بنتی تھیں۔(یہ الگ بات ہے کہ وہ فلمیں بھی شرعاً ناجائز ہی ہوتی تھیں کہ ان میں گانا بجانا' "عشق و محبت" کا فلسفہ اور اختلاط مرد وزن موجود ہوتا تھا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ تب ان میں اتنی بے ہودگی اور عریانی نہیں ہوتی تھی جو اب نظر آرہی ہے —— مرتبین) آزادی کے بعد ہمارا سماج بھی آزاد ہو گیا ہے اور ہم یہ بھول چکے ہیں کہ ہم کیا ہیں؟" ایک سوال کے جواب میں اشوک کمار نے کہا کہ "آج کل کے دور میں نچلے طبقہ اور کلاس کے لوگ ہی سینما گھروں کا رخ کرتے ہیں یا پھر وہ لوگ جو یہ تفریح ڈش اور ویڈیو کے ذریعے سے گھروں میں افورڈ نہیں کرسکتے۔"

طوالت سے صرف نظر کرتے ہوئے

یہاں صرف دو افراد کے .Comments دیئے گئے ہیں ورنہ شاید ہی کوئی دن گزرتا ہو کہ کسی بھی دن کے اخبار میں اداکاروں / اداکاراؤں اور گلوکاروں / گلوکاراؤں کی ایسی "گواہی" یا تاثرات شائع نہ ہوتے ہوں۔

فلمی صنعت کے اڈوں اور سینماؤں کا ماحول کس حد تک گندا ہو چکا ہے' اس کے بارے میں ذیل میں دو اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

— "یہ سوال اکثر و بیشتر اٹھایا جاتا ہے کہ شائقین فلم نے سینماؤں میں آنا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ اس سلسلہ میں کیے گئے ایک سروے سے معلوم ہوا ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ خود فلم انڈسٹری اور اس کے لوگ ہیں۔ ایک فیملی کے سربراہ سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ "آج سے دس برس قبل وہ مہینے میں کم از کم دو دفعہ اپنی فیملی کے ساتھ نئی فلم دیکھنے کے لئے سینما جایا کرتے تھے مگر اب وہ ایسا نہیں کر سکتے' اس لئے کہ اول تو ایسی فلمیں نہیں بن رہی جو پوری فیملی کے ہمراہ بیٹھ کر دیکھی جا سکیں۔ دوسرے یہ کہ سینماؤں کا ماحول پہلے کا سا نہیں رہا۔ اب خواتین وہاں چلی جائیں تو اوباش نوجوان طرح طرح کے آوازے کستے ہیں۔"

یہاں اس بات کا تذکرہ بے جا نہیں ہو گا کہ ہماری معلومات کی حد تک ہمارے ہاں کبھی بھی فلمی صنعت کی PRODUCTIONS ایسی نہیں رہیں' جنہیں سینما میں یا گھر میں فیملی کے ساتھ بیٹھ کر دیکھا جا سکے۔ اس لئے کہ عریانی و مخلوط ماحول کم از کم ان کا لازمہ بہرحال ہوتا تھا اور ہے —— مرتبین)

— "اداکار بننے کے شوقین بہت سے لوگ نام نہاد تربیتی اداکاروں کے ہاتھوں بے وقوف بن رہے ہیں اور اداکاری کی تربیت کے چکر میں اپنا سرمایہ لٹا رہے ہیں۔ یہ دفاتر شہر کے مختلف حصوں میں ہیں' جہاں اداکاری کے شوقین لڑکے اور لڑکیاں قسمت آزمائی کے لئے جاتے ہیں اور لٹ لٹا کر گھر واپس چلے جاتے ہیں۔

تفصیلات کے مطابق لاہور شہر کے مختلف علاقوں میں واقع شاپنگ پلازوں میں اداکاری سکھانے کے نام نہاد ادارے قائم کئے گئے ہیں جن کا طریقہ واردات یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اخبارات میں ہزاروں روپے کے اشتہارات شائع کراتے ہیں۔ اشتہار میں جوابی لفافہ طلب کیا جاتا ہے اور جوابی لفافہ کے ذریعے سے اداکاری سیکھنے کے شوقین لوگوں کو مبلغ تین سو روپے کا وی۔ پی پارسل روانہ کیا جاتا ہے' جس میں داخلہ فارم اور ڈائیلاگ فارم موجود ہوتے ہیں۔ اس وی۔ پی کو وصول کر کے ادارے کے نام تین سو روپے بھیجنے والے

شخص کو دفتر میں بلا لیا جاتا ہے' جہاں پر نام نہاد افراد معروف اداکاروں کے مینجر' ہدایت کاروں اور فلم سازوں کا روپ دھار کر ان سادہ لوح لڑکیوں اور لڑکوں کے انٹرویو اور سکرین ٹیسٹ لیتے ہیں۔ پھر ان سکرین ٹیسٹوں کی نتیجہ رپورٹ کا انتظار کرنے کا کہہ کر اداکاری کے لئے مختلف اضلاع سے آئے ہوئے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ سکرین ٹیسٹ کی فیس دو سو روپے الگ وصول کی جاتی ہے۔ یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ اداکاری سکھانے کے یہ ادارے نوجوان لڑکیوں کی تصاویر بھی حاصل کر لیتے ہیں اور پھر شریف گھرانوں کی نوجوان لڑکیوں کو بلیک میل کیا جاتا ہے اور ان کو ناجائز کاموں میں ملوث ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ہیرو بننے کے شوق میں آئے ہوئے پنڈ دادنخان کے محمد اقبال نے بتایا کہ "میں نے ایک ماہ قبل اخبار میں اداکار بننے کا اشتہار دیکھا تو میں نے "حنا انٹرنیشنل" کو خط لکھا اور ان کا وی۔ پی پارسل وصول کیا اور فارم پر کر کے ادارے کو بھیج دیا۔ پھر ادارے کی ہدایت کے مطابق تقریباً ایک ہفتہ ڈائیلاگ یاد کرتا رہا اور سکرین ٹیسٹ کے لئے حنا انٹرنیشنل کے دفتر میں پہنچا۔ جہاں ایک عورت' دو لڑکیاں اور دو آدمی موجود تھے۔ جن میں سے عورت نے اپنا نام ہدایت کارہ شمیم آراء کی بہن نسیم آراء بتایا اور آدمیوں کو فلمسازوں اور لڑکیوں کو ہیروئن کے طور پر مجھ سے متعارف کرایا گیا۔ ان افراد نے میرا انٹرویو اور سکرین ٹیسٹ لیا اور مجھ سے دو سو روپے سکرین ٹیسٹ فیس بھی وصول کر لی۔ سکرین ٹیسٹ دینے کے بعد میں اپنے گاؤں واپس چلا گیا اور فائنل رزلٹ کا انتظار کرتا رہا مگر مجھے ادارہ کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ کافی انتظار کے بعد حنا انٹرنیشنل سے رابطہ کیا تو مجھے بتایا گیا کہ ہدایت کار اور فلم ساز اپنی کسی دوسری فلم کی شوٹنگ کے لئے بیرون ملک گئے ہوئے ہیں۔ جب بھی وہ واپس آئیں گے آپ کو بلا لیا جائے گا۔" انسپکشن ٹیم کے سروے کے دوران میں جو مزید حقائق سامنے آئے ہیں ان کے مطابق لاہور شہر میں اس وقت تین بڑے ادارے: حنا انٹرنیشنل اچھرہ' آئی۔ ایف پروڈکشن اچھرہ اور بانو آرٹ اکیڈمی ملتان روڈ' اداکاری کے شوقین لوگوں کو لوٹنے کا دھندہ نہایت ہوشیاری سے چلا رہے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان اداروں کی پشت پناہی شہر کے بااثر لوگ کرتے ہیں۔ اچھرہ میں واقع آئی۔ ایف پروڈکشن کے مالک زین

العابدین کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ڈاکٹر کہلواتا ہے اور خود کو ایک ہفت روزہ کا ایڈیٹر ظاہر کرتا ہے جب کہ اس کے بالکل سامنے والے دفتر حنا انٹرنیشنل کا مالک شہر کا معروف قانون دان ہے اور اپنے آپ کو ہفت روزہ "پنڈی ٹائمز" کا بیورو چیف ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح ملتان روڈ والے دفتر بانو آرٹ اکیڈمی کی مالک شہربانو اپنے آپ کو معروف اداکارہ ظاہر کرتی ہے جبکہ حنا انٹرنیشنل کے دفتر میں موجود مینجر مریم اپنے آپ کو ملک کی معروف ہدایت کارہ شمیم آراء کی چھوٹی بہن نسیم آراء بتاتی ہے۔" (ایضاً' صفحہ: ۳۰'۳۱)

کیا کھویا' کیا پایا؟

اگرچہ اب میں بہ فضل الٰہی سچے دل سے تائب ہو چکا ہوں' تاہم اب جب کبھی مجھے سینما بینی کے اس دور کی یاد آتی ہے' تو شرمساری اور ندامت کا شدید احساس مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اپنی کوئی متاعِ گراں مایہ کھو چکا ہوں۔ یہ یادِ ماضی بڑی تلخ محسوس ہوتی ہے۔

مگر ندامت کا یہ احساس بھی مالی اور وقت کے اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکتا جو "سابقہ ماضی" نے مجھے پہنچایا۔ بہرحال چونکہ سچی توبہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے' اس لئے دل کو اطمینان کی ایک کیفیت میسر آ جاتی ہے اور نیا حوصلہ مل جاتا ہے۔ یوں کافی حد تک دینی نقصان کا مداوا ممکن محسوس ہوتا ہے' ان شاء اللہ!

اب جب میں اپنی سابقہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو زیاں کاری کے تفصیلی مناظر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ میں آغاز میں عرض کر چکا ہوں کہ میں ایک علمی خانوادے سے تعلق رکھتا ہوں' تب خود میں بھی علمی و تحقیقی مطالعے کا شائق تھا لیکن سینما کی دنیا نے میرے اس ذوق کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔ تفصیل میں جائے بغیر عرض کرتا ہوں کہ میں نے ایف۔ ایس سی کے بعد میڈیکل کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا عزم کر رکھا تھا مگر سینما بینی اور آوارگی نے میرے اس خواب کو خواب ہی رہنے دیا اور حقیقت نہ بننے دیا۔ عمومی مطالعے کا ذوق بھی متاثر ہوا۔ پھر میں نے گریجوایشن کے بعد ایم۔ اے

معاشیات بایا ایم۔ اے صحافت کا سوچا لیکن شومئی قسمت کہ اس میں بھی بری طرح ناکام رہا۔ شاید یہ اللہ تعالٰی کا عذاب اور مکافات عمل کا نتیجہ تھا! پھر میں نے کچھ عرصہ پرائیویٹ سیکٹر میں Service کرنے کے بعد ایک کاروبار شروع کیا' جو اب بھی مناسب طور پر چل رہا ہے اور تقریباً اوسط درجہ کی زندگی گزار رہا ہوں' الحمدللہ! اسی طرح میں نے اس دور میں بہت سی فلمیں سینماؤں میں جا کر دیکھیں اور ہزاروں روپے برباد کئے۔ ان فلموں نے اس مالی بربادی کے ساتھ ساتھ میرے اخلاق و کردار کو بھی بگاڑا' نتیجتاً میں ایک مدت تک "جسمانی" طور پر بھی نزلہ و زکام کے ساتھ پھیپھڑوں کی Infection. کا شکار بھی رہا۔ یہ بھی اللہ کا کروڑہا احسان ہے کہ میں "اس بازار میں" نہیں پہنچ پایا' ورنہ شائد توبہ کی توفیق نہ مل سکتی۔ زیادہ کیا کہوں! اس دور میں میں نے کئی قسم کی بربادی ہی بربادی دیکھی اور وہ بھی قرآنی آیت ذَٰلِكَ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ کے مصداق اپنے ہاتھوں سے۔

یہ بھی بہت غنیمت ہے اور اس پر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے توبہ کی توفیق دی اور میں نے دین کی طرف پھر رجوع کیا' ورنہ اگر میں اسی سابقہ حالت میں مر جاتا تو--- یقیناً جہنم کا ایندھن ہی بنتا۔ پھر یہ سوچ کر ہی میں کانپ اٹھتا ہوں' اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ! بہرحال اگر دیکھا جائے تو اب بھی کچھ نہیں بگڑا! اب میں پھر صراط مستقیم کا مسافر ہوں۔ اصلاح و بہتر سے بہتر تر حالت کو پانے کے لئے کوشش جاری ہے اور اب میرا عزم صمیم یہ ہے کہ اسی سمت میں قدم اٹھتے رہیں گے' ان شاء اللہ!

دینی مطالعے کا سلسلہ از سرنو پھر شروع ہو چکا ہے۔ فرائض دین کی پابندی کے ساتھ ساتھ راسخ العقیدہ دینی حلقوں کے پروگراموں میں شرکت اور ان کے لٹریچر کا مطالعہ بھی ہو رہا ہے۔

کلام آخر:

قارئین محترم! یہ ہے میرے اس دور کی آپ بیتی / داستان' جب میں شیطان کے بہکاووں میں آکر گمراہی کی تاریک وادیوں میں کھو گیا تھا۔ پھر یہ اللہ رحمان و رحیم کی ہی خصوصی رحمت اور فضل و کرم تھا کہ اس نے مجھے دوبارہ ہدایت کی شاہراہ عظیم پر گامزن

ہونے کے لئے چنا اور فی سبیل اللہ کا راہی بنا دیا' ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ — وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ!

اب اپنی آپ بیتی کے تتمہ (خاتمہ) کے طور پر کچھ باتیں عرض کرتا ہوں' جن میں ہم سب کے لئے دعوت فکر موجود ہے۔ امید ہے کہ ان تجاویز یا گزارشات پر سنجیدگی سے غور کیا جائے گا' ان شاء اللہ:

- والدین (ماں اور باپ دونوں) اپنی اولاد یا والدین کی عدم موجودگی میں بڑے بہن بھائی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں پر کنٹرول رکھیں۔ ان کی کوتاہیوں یا غلطیوں وغیرہ کو احسن انداز سے .Deal کرتے ہوئے ان کو بڑے اخلاق سے سمجھایا جانا چاہئے لیکن ان کے غلط و ناپسندیدہ اقدام کو ہرگز نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان کی وہ حرکات ان کے لئے معمول (.Routine) کا حصہ بن جائیں گی اور وہ اس معاملے میں مزید "شیر" ہو جائیں گے۔ نیز اولاد یا چھوٹے بہن بھائیوں کو بے جا لاڈ پیار کرنے سے یا ان کے غلط لاڈ کو برداشت کرنے سے ہر ممکن اجتناب کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ جب بچوں کی کوئی بڑی حرکت برداشت کر لی جاتی ہے تو اس سے ان کو وہی قدم دوبارہ اور سہ بارہ اٹھانے کا جواز مل جاتا ہے' پھر بچہ مزاجاً بگاڑ در بگاڑ کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر ایک ایسا مقام بھی آتا ہے کہ تلافی تو دور کی بات ہے' پیچھے مڑ کر دیکھنے اور اپنی اصلاح کرنے کا خیال تک اس کے ذہن سے محو ہو جاتا ہے اور اگر کبھی بھولے بسرے سے ایسا احساس اس کی ذات میں بیدار ہو بھی جائے تو سابقہ لاحاصل زندگی کی تلافی اگر ناممکن نہیں تو بہرحال اس کے لئے کارے دارد ضرور بن جاتا ہے — یہ مشاہدات و احساسات "سبیل الشیطان" میں کافی عرصہ "جھک مارنے" کے بعد مجھے حاصل ہوئے ہیں' جو اب تحریر میں آ گئے ہیں۔ میری یہ آپ بیتی اس حوالے سے تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی' اس لئے اختصاراً محض اشارات سے کام لے رہا ہوں۔
- یہ ایک عام سی بات ہے کہ اگر کوئی فرد مالی یا کسی دیگر پہلو کی لوٹ مار کا شکار ہو جائے (اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ فرمائے' آمین!) تو پھر وہ بیسیوں افراد کو اپنا ماجرا سناتا ہے۔

بعینہ چونکہ شیطان نے میرے ایمان پر ڈاکہ ڈالا اور مجھے بے راہ رو بنایا' اس لئے بہ فضل الٰہی دوبارہ ہدایت کی طرف اپنا رخ مڑنے پر اب میرا یہ فرض ہے کہ میں ان ناہمواریوں اور خطرات سے دوسروں کو بھی آگاہ کر دوں' جن سے مجھے سابقہ پیش آیا تھا۔ یہ کتاب پڑھنے والے جو بھائی فلمیں دیکھتے ہیں' ان سے گزارش ہے کہ وہ فی الفور فلمیں دیکھنا ترک کر کے قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کرنا شروع کر دیں اور اپنے اہل خانہ اور عزیز و اقارب اور پڑوسیوں وغیرہ کو بھی اسی کی تلقین و نصیحت کریں' جزاکم اللہ خیرا! اسی صورت میں ہماری آخرت بہتر ہو سکتی ہے' ان شاءاللہ!

دوسرا پہلو جو میں قارئین خصوصاً والدین یا بڑے بہن بھائیوں کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں' وہ یہ ہے کہ اپنے بچوں یا چھوٹے بھائیوں کو بہ غرض تعلیم دور دراز کے شہروں میں بھیجنے سے پہلے سنجیدگی سے ضرور سوچ لیں' ان کو اگر بہ مجبوری ہاسٹل میں مقیم ہونا پڑے تو یاد رکھیں کہ یہ امر خطرے سے ہرگز خالی نہیں۔ مجھے بھی والدین نے گاؤں سے ایک بڑے شہر میں بہ غرض تعلیم بھیجا تھا اور میں وہاں کئی سال تک تنہا مقیم رہا لیکن حاصل کیا ہوا؟ سب حال آپ کے سامنے ہے! اس لئے کسی بیرونی شہر میں ان کی محض تعلیم یا دور دراز فاصلے کی بناء پر تعلیم کے ساتھ ساتھ ہاسٹل وغیرہ میں اقامت پزیر ہونے کی صورت میں ان کو مناسب انداز سے وقتاً فوقتاً Check ضرور کرتے رہیں۔

رہا بچیوں کا معاملہ! تو وہ اس سے بھی نازک تر ہے۔ اب حالات اس قدر گھمبیر اور خطرناک پوزیشن اختیار کر گئے ہیں (دوسرے لفظوں میں مجموعی طور پر لوگ اس قدر بے حیاء اور ان کے قلوب و اذہان اس قدر فاسد ہو چکے ہیں) کہ اب دس بارہ سال سے زائد العمر بچیوں کو تنہا اپنے شہر / قصبے کے اسکول میں بھی بھیجنے کا مطلب ان کے ساتھ ساتھ خود کو شدید خطرے سے دوچار کرنے اور Risk لینے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

یہاں میں ایک اور پہلو کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ہمارے معاشرہ میں عموماً لوگ فلموں اور ڈراموں وغیرہ کو دیکھنا جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسلام نے غیر مرد اور غیر عورت کے چہرے کی طرف دیکھنے کو جائز قرار نہیں

دیا بلکہ اسلام تو باپردہ عورت کو دلچسپی سے دیکھنے کی بھی ممانعت کرتا ہے اور مرد وزن دونوں کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ اپنی نظروں کو نیچا رکھیں یعنی جھکائے رکھیں۔ چوں کہ فلموں میں عورتیں کھلے چہروں کے ساتھ (اور وہ بھی بن ٹھن کر! یہ گندگی الگ ہے) سکرین پر آتی ہیں' جن کو مرد بھی دیکھتے ہیں۔ مرد ہی نہیں عورتیں بھی بڑے "شوق" سے دیکھتی ہیں اور ویسا ہی طرز ادا اپناتی ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ اسلام مخلوط ماحول سے منع کرتا ہے۔ اس لئے یہ ثقافت اور ماحول ہر لحاظ سے گندگی ہے' اور اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بناء بریں قارئین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے گھروں سے ٹی وی کو نکالیں اور اسے دوسروں کی عبرت کے لئے لوگوں کے ہجوم میں سنگسار کریں یا جلا ڈالیں تاکہ ان کی اولاد اور وہ خود بھی ٹی وی وغیرہ کی گندگیوں سے بچ کر اپنا ایمان بچالیں' جزاکم اللہ خیرا!

میری یہ آپ بیتی پڑھ کر اگر کسی کو بالعموم ہر قسم کی شیطانیت اور بالخصوص "ثقافتی میدان" کی گمراہی کو چھوڑنے اور ہدایت سے آشنا ہونے کا موقع مل گیا تو مجھے امید ہے کہ یہ امران شاء اللہ! میرے لئے موجب نجات ثابت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو شیطان کے حربوں سے محفوظ فرمائے' ہر قسم کی بدی اور گمراہی سے دور رکھے اور ہمیں ہر قسم کی منافقت (نفاق) سے بچائے' آمین!

ادارہ مطبوعات خواتین کی مقبول عام کتب

- نیک ماؤں کا مثالی کردار (اول)
- نیک ماؤں کا مثالی کردار (دوم)
- بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔پاکیزہ سیرت' شاندار دینی کردار
- حجاب کی برکات---نو مسلم خواتین کے مشاہدات
- سینما سے مسجد تک
- اسلام میں عورت کا مقام و مرتبہ
- نور ایمان سے محروم بد نصیب لوگ
- ہجرت اور جہاد
- مسلمان خواتین کیلئے اسوۂ صحابیات رضی اللہ عنہن
- خاتون خانہ کے ٹوٹکے

- سیرت صحابیات رضی اللہ عنہن
- کوئی مرض لاعلاج نہیں
- دہشت گردی اور جہاد فی سبیل اللہ قرآن وسنت کی نظر میں
- ہم کیوں مسلمان ہوئیں ؟
- نقش توحید
- سنت وبدعت کی کشمکش

مزید تفصیلات کے لئے فہرست کتب طلب فرمائیں :

www.KitaboSunnat.com

ادارہ مطبوعات خواتین پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

کیمرہ مارکیٹ، 42 چیمبر لین روڈ، لاہور فون: 5820177

اسے بھی پڑھیئے!

دین نام ہے قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کا! ہمارے پاس قرآن حکیم بھی موجود ہے اور صحیح احادیث کی صورت میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ دین پر عمل کرنا بہت آسان ہے! لیکن اس وقت لوگوں کی بہت بڑی اکثریت نے اس پر عمل کرنا مشکل سمجھ لیا ہے۔ اس کی وجہ دین کا نام لے کر دین میں وہ اضافے یعنی بدعات وخرافات ہیں جو گمراہ لوگوں نے کئے ہیں۔ بناء بریں جو لوگ دین پر صحیح معنوں میں عمل کرنا چاہتے ہیں، ان سے گزارش ہے کہ وہ راسخ العقیدہ اہل علم کے کیے ہوئے قرآن کریم کے ترجموں اور تفاسیر نیز احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کے لئے صحاح ستہ (یعنی بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف اور نسائی شریف) کی صحیح احادیث کا خود بھی مطالعہ کریں اور اپنے اہل خانہ اور اولاد کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ مزید رہنمائی کے لئے موحد علماء کرام اور خالص دینی لٹریچر سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کو کماحقہ سمجھنے اور اس پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین!

دیگر اہم مطبوعات
بنات رسول
حجاب کی برکات
ہجرت اور جہاد
ہم کیوں مسلمان ہوئیں؟
سیرت صحابیات
Designed by :SUTOOR